۷۸۶

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

قرآن سے ستاروں تک

جسمیں بہت دلچسپ اور آسان زبان میں کلام اللہ اور حدیث نبوی سے موجودہ دور کی مادی ترقیات اور خلائی انکشافات نیز مختلف سیاروں اور ستاروں پر ہونے والی پروازوں کے متعلق نہایت مستند طریقے پر فیصلہ کن بحثیں کی گئی ہیں، اور قرآن و حدیث سے کائنات کے سلسلے کی حیرت انگیز معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

محمد عبداللہ دہلوی

مکتبہ نور، حضرت نظام الدین۔ نئی دہلی ۱۳

بار اول   اپریل ۱۹۷۰ء   ۱۰۰۰

ناشر

مکتبہ نور۔ حضرت نظام الدینؒ۔ نئی دہلی ۱۳

قیمت تین روپے -/۳

مطبوعہ

جمال پرنٹنگ پریس، دہلی ۶

فہرستِ مضامین

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

(اقبال)

کچھ مؤلف کی طرف سے

جس مضمون سے اس کتاب کو تعلق ہے وہ جتنا وسیع ہے اتنی ہی بے سروسامانی میں لکھا گیا ہے، اس کے لئے جتنی کتابوں اور جتنے مطالعہ کی ضرورت تھی اس کا عشر عشیر بھی مجھے میسر نہیں آسکا۔ آئندہ جب بھی مجھے ضروری کتابیں حاصل ہوں گی اور وہ حالات میسر آئیں گے کہ اس کے اندر چھوٹی ہوئی چیزوں کا اضافہ کرسکوں تو امید ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک بہت اہم ضرورت کو پورا کرسکے گی اور بہت سے اہم گوشے واضح ہوسکیں گے۔

مجھے نہ کوئی کہنہ مشق مصنف ہونے کا دعویٰ ہے اور نہ علوم میں مہارت کا، تاہم جو کچھ بھی میں نے لکھا ہے اپنی حد تک بہت احتیاط سے لکھا ہے اور جہاں تک نقل سے کام چلا ہے اپنی طرف سے کچھ لکھنے سے گریز کیا ہے اس کے باوجود غلطی سے پاک ہونے کا دعویٰ تو آج تک کس نے کیا ہے جو آج میں کروں لیکن کوئی بات نہ تو محض اس وجہ سے غلط کہی جاسکتی ہے کہ آج سے پہلے کسی نے نہیں کہی

اور نہ صرف اس بنیاد پر کسی بات کو ٹھکرایا جاسکتا ہے کہ ہماری عقل میں نہیں آتی بلکہ کسی بات کو غلط صرف اسی وجہ سے کہنا چاہیئے کہ وہ واقعتہً غلط ہے ـ بس!
اس قسم کی کسی غلطی پر اگر کوئی صاحبِ علم مجھے مطلع فرمائیں گے تو میں ان کا احسانمند ہوں گا اور اس پر پوری طرح غور و فکر کرکے اگر وہ صحیح ہے تو ضرور تسلیم کروں گا۔

اہلِ علم سے گذارش ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی معلومات سے میری مدد فرمائیں، علوم جدیدہ پر نظر رکھنے والوں سے اپنے موضوع کی جدید معلومات کا اور قرآن حدیث کی گہرائیوں سے واقفیت رکھنے والوں سے اس موضوع کی مستند نصوص کا خواستگار ہوں، امید ہے کہ مذہب اسلام کو صحیح شکل میں دنیا والوں کے سامنے پیش کرنے کا شوق رکھنے والے میری اس گذارش کو رسمی نہ سمجھیں گے اور اس سلسلہ میں میرا تعاون فرماکر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں گے۔ اور ہمارے ملک پر کئے جانے والے اس اعتراض کو بھی غلط ثابت کریں گے کہ یہاں علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔

محمد عبداللہ دھلوی
رحمت بلڈنگ، حضرت نظام الدین
نئی دہلی ۱۳

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ
یکم دسمبر ۱۹۶۹ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واھل بیتہ و اتباعہ اجمعین۔

مقصد

زمانے کی رفتار نے آجکل ذہنوں کو کچھ ایسے رخ پر ڈال دیا ہے کہ عام طور پر لوگ اور بالخصوص پڑھا لکھا طبقہ ہر چیز کو آج کے مشینی اور سائنسی دور کے مطابق سمجھنے کا عادی ہو گیا ہے ایک ہی بات جب ایک سیدھے سادے انداز میں سمجھائی جاتی ہے تو کوئی خاص توجہ نہیں ہوتی لیکن وہی بات جب موجودہ چیزوں کی مدد سے اور جدید اصطلاحات کے سہارے سمجھائی جاتی ہے تو فوراً لوگوں کے ذہن متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح غور سے سنتے ہیں کہ گویا سننے کی بات ہی ایک یہ تھی۔ اور موجودہ دور میں یہ مزاج کچھ بے جا بھی نہیں ہے انسان جس ماحول میں رہتا ہے اسی کی چیزوں کو رات دن دیکھتا ہے اور انھیں کو پوری طرح سمجھتا ہے اب جو بات اس کی دیکھی بھالی اور جانی پہچانی چیزوں سے قریب ہو گی جلدی سمجھ میں آجائے گی اور اس کا ماننا بھی آسان ہو گا۔

چنانچہ قرآن کریم نے اپنے مخاطبین اولین کے مزاج کے مطابق جگہ جگہ اس کا خیال رکھا ہے اور مضامین کو ان کی مانوس مثالوں سے سمجھایا ہے۔

ہمارے موجودہ دور کی خلائی تحقیقات نے پوری دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور ہر ایک کی توجہ انھیں انکشافات کی طرف لگی ہوئی ہے جس کا اثر یہ ہے کہ ذہنوں میں مختلف قسم کے سوالات پیدا ہو گئے ہیں اور بہت سے لوگ عجیب عجیب الجھنوں میں پڑ گئے ہیں۔ ان چند سطروں کا مقصد یہ ہے کہ :-

۱- موجودہ سائنسی انکشافات اور خاص طور پر خلائی تحقیقات کے بارے میں علماء اہل اسلام کا نقطۂ نظر لوگوں کے سامنے آجائے۔

۲- جو فریب خوردہ مسلمان یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ خلائی معلومات ہی سب کچھ ہیں اور اب اسلام کا زمانہ نعوذ باللہ ختم ہو چکا۔ انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام میں اب سے چودہ سو برس پہلے سے ان چیزوں کے بڑے واضح اشارے موجود ہیں جن تک کروڑوں روپے خرچ کر کے اور لاکھوں جانیں کھپا کے آج کی سائنس ابھی تک نہیں پہنچ سکی ہے۔

۳- ایک اہم مقصد ان معروضات کا یہ بھی ہے کہ ہمارے جو سیدھے سادے عوام یا بعض معمولی پڑھے لکھے لوگ موجودہ مادی ترقیات اور خلائی تجربات کو قرآن و شریعت کے خلاف سمجھتے ہیں اور نعوذ باللہ ان کو خدا اور رسول اور کتاب و سنت کے مقابلہ میں ایک چیلنج تصور کرتے ہیں انھیں معلوم ہو جائے کہ شرعی نقطۂ نظر سے ان چیزوں کے بارے میں ہمیں کیا رائے قائم کرنی چاہیئے۔

قرآن حکیم کا موضوع

آج ایک بہت بڑی تعداد ان بھولے بھالے مسلمانوں کی بھی ہے جو سائنس کی ہر نئی ایجاد اور خلاء کی ہر تازہ تحقیق کو قرآن کریم میں تلاش کرتے ہیں اگر اس کا جواب ان کی مرضی کے مطابق قرآن کریم میں مل جائے تو گویا ان کے خیال میں قرآن حق ہے اور زمانہ حال کے مطابق ہے اور جب کوئی بات انھیں نہیں ملتی تو بد دل ہو جاتے ہیں خصوصاً جبکہ قرآن کریم ان کے مفروضہ کے خلاف کوئی بات کہہ رہا ہو۔ اور اس صورت میں گو وہ احتراماً یا ماحول کی نامساعدت کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ کہیں مگر دلوں میں رنج و افسوس اور کبھی شکوک و شبہات اور قسم قسم کے وساوس آنے لگتے ہیں گویا ان لوگوں کے نزدیک قرآن کریم میں دنیا بھر کی نئی ایجادات و تحقیقات کا صراحتہً بیان ہونا ضروری ہے اور اس پر پھر یہ اشکال کہ جب قرآن مجید قیامت تک کے انسانوں کے لئے نازل ہوا ہے تو اس میں ہر زمانے کی چیزوں کا ذکر اور ہر قسم کی ضروریات کا حل کیوں نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات دراصل اس لئے پیدا ہوئی کہ ان لوگوں نے قرآن کریم کے موضوع اور اس کی غرض و غایت کو نہیں سمجھا انھیں یہ معلوم نہیں کہ آسمانی مذہب کس لئے بھیجا جاتا ہے اور انبیاء و رسل کس غرض کے لئے دنیا میں تشریف لاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم انسانوں کو وہ طریقۂ زندگی سکھانے کے لئے نازل ہوا ہے جس پر عمل کر کے وہ اس دنیا میں انسانیت و شرافت اور باہم میل جول اور بلند اخلاق اختیار کر کے ایک پر سکون زندگی گذار سکیں اور جب وہ اس چند روزہ

زندگی کو ختم کر کے دائمی اور حقیقی زندگی میں پہنچیں تو ہمیشہ ہمیش کی راحتوں اور مسرتوں میں رہیں۔ وہ اس زندگی کو کوئی اہم مقصد نہیں قرار دیتا بلکہ میدان عمل قرار دیتا ہے کہ اصل زندگی کی تیاری کرنے کے لئے یہ زندگی ہے اس لئے وہ صرف وہی باتیں بیان کرتا ہے جو انسان کو اس مقصد کے حصول میں ضروری ہیں اور ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں آنے دیتا جس سے انسانوں کے سامنے اس زندگی کی اہمیت اور اس کی مقصدیت آئے بلکہ ایسے لوگوں کو بری نظر سے دیکھتا اور ڈارتا ہے جو اسی زندگی کو سب کچھ سمجھ بیٹھیں اور آخرت کی تیاری نہ کریں۔

مگر جب قرآن کریم میں خدا کی قدرت و عظمت کا اور اس کی نشانیوں میں غور و فکر کر کے اس کی بڑائی سمجھنے کا ذکر ہوا تو اس کے ضمن میں بہت سے وہ امور بھی آگئے کہ جن کا تعلق اپنی نوعیت کے اعتبار سے خود بخود سیاست و تاریخ، طبقات الارض اور فلکیات سے قرار پایا مگر اسلوب بیان ایسا اختیار کیا گیا کہ غور و فکر کرنے والے ان الفاظ میں سے بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں آگے کے عنوانات میں معلوم ہو گا کہ ہر زمانے میں لوگوں نے قرآنی الفاظ سے اپنے اپنے زمانے کے مطابق نہایت اہم فنی مسائل مستنبط کئے ہیں۔ اور آخرت ہی کی نہیں بلکہ اس دنیا کی بھی بہت سی بڑی بڑی ضرورتوں کا حل قرآن کریم میں پایا ہے۔

درحقیقت یہ قرآن کریم کا اعجاز اور تا قیامت اس کے رہنمائے انسانیت ہونے کی دلیل ہے کہ انسان اس کو لے کر زندگی کی دوڑ میں جس منزل پر بھی پہنچا اسے اسی کے مطابق پایا اور دانش کے علوم کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی پہنائیوں میں غوطہ لگانے والوں نے ہر زمانے میں اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق

گوہرہائے مقصود نکالے جن میں دینی مقاصد بھی ہیں اور دنیوی بھی اور اسی بحرِ ذخار کے ایک غوطہ زن اور فکر و تدبر کے شوقین عبداللہ بن عباسؓ نے تو اس کی ہمہ گیر وسعتوں کو دیکھ کر یہاں تک کہہ دیا کہ :-

لو ضاع لی عقال بعیر لوجدتہ	اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو جائے
فی کتاب اللہ (اتقان ج ۲ ص ۱۲۶)	تو میں اسے کتاب اللہ میں پالوں گا۔

لیکن یہ بھی غلط ہے کہ قرآن حکیم کو بالکل اس نظر سے دیکھا جائے جس نظر سے کوئی سائنس کی کتاب یا علوم جدیدہ کی انسائیکلو پیڈیا کو دیکھا جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہر ہر چیز کا بیان[۱] ہے جس میں مادی علوم بھی شامل ہیں لیکن اول تو وہ مقصود بالذات نہیں دوسرے اکثر جگہ صاف اور واضح نہیں۔

---

۱ الاتقان فی علوم القرآن لجلال الدین السیوطی ص ۱۲۶ ج ۲ (مصطفی الحلبی مصر الطبعۃ الثالثہ ۱۳۷۰ھ بمطابق ۱۹۵۱ء)

قرآن حکیم اور مادی غور و فکر

دینی احکام و مسائل کے علاوہ دوسری چیزوں کے متعلق قرآن کریم میں غور و فکر اور اس سے دنیوی مسائل و ضروریات کا استنباط جائز اور امت میں معمول بہ رہا ہے اور صحابہ سے لے کر آج تک سیکڑوں اہل اسلام نے قرآن سے روحانی استفادہ کے ساتھ ساتھ دنیوی فائدہ بھی اٹھایا ہے چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی مشہور کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں النوع الخامس والستون فی العلوم المستنبطة (پینسٹھویں نوع قرآن سے مستنبط علوم کے بیان میں) کے اندر بہت سے دنیوی علوم کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ لوگوں نے قرآن کریم سے نکالے ہیں بعض علماء نے کہا ہے کہ :-

مامن شئی الا یمکن استخراجہ من القرآن لمن فھمہ اللہ حتی ان بعضھم استنبط عمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثا وستین سنة من سورة المنافقین [1]	کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جس کا استخراج قرآن کریم سے نہ کیا جا سکتا ہو لیکن یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے عقل و فہم سے نوازا ہو چنانچہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ سال سورۃ منافقون کی ایک آیت سے استنباط کی ہے۔

ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں اگر مادی حیثیت سے غور و فکر کرنا جائز نہ ہوتا تو

---

(۱) الاتقان ص ۱۲۶/۲

ہر ہر چیز کا استخراج قرآن کریم سے کیسے ممکن تھا۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:۔

"قرآن کریم نے کتنی ہی شرعی اور تکوینی حقائق کے قدرتی جوڑ بند پر روشنی ڈالتے ہوئے کچھ ایسے انداز سے افعال باری کی توضیح وتشریح کی ہے اور اپنے طرز بیان کو کچھ ایسے عمل خیز طریقے پر پیش کیا ہے کہ اگر اس تکوینی عمل کی تصویر کو سامنے رکھ کر ذرا بھی غور کیا جائے اور عملی حرکت شروع کر دی جائے تو ذہن صدہا اختراعات وایجادات کی طرف خود بخود ہی منتقل ہونے لگتا ہے[1]"

قرآن حکیم میں مادی حیثیت سے غور وفکر بھی باعث اجر وثواب ہے۔

بلکہ اگر نیت درست ہے تو دنیا کی آسائشوں کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے ان سے جائز حدود میں فائدہ اٹھانا بندہ کی طرف سے اللہ کے شکر کا موجب ہوتا ہے اور شکر اللہ کی طرف سے اور زیادتی کا باعث ہوتا ہے اس لئے جائز ہے بلکہ پسندیدہ اور مستحب ہے کہ انسان تسخیر کائنات کرتا چلا جائے اور جہاں تک تسخیر کائنات سے حاصل ہونے والی فوجی قوت وبرتری کا تعلق ہے تو وہ تو فرض ہے اور حتی الامکان اس میں آگے بڑھنے کا حکم خود قرآن کریم میں موجود ہے[2]۔ قرآن حکیم میں مختلف پہلوؤں سے سوچا ہر زمانے

۱؎ "تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام" صـ ۹۹ (مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی)

۲؎ سورۃ انفال آیت ۶۰

میں گیا اور لوگوں نے اپنی اپنی استعدادوں کے مطابق بہت کچھ سمجھا بھی لیکن چونکہ آجکل مادی ترقی نے ذہنوں میں ذرا وسعت پیدا کر دی ہے اس لئے اگر قرآن حکیم کی آیات میں کسی کو موجودہ زمانے کی مادی اشیاء کا بھی کوئی اشارہ مل جائے تو کوئی عجیب اور قابل اعتراض بات کیوں ہو؟

محترم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ اپنے ایک مضمون "قرآن اور علم فلکیات" میں انسان کے معاشی فوائد اور مصالح کا مختصراً ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"کائنات عالم میں اس حیثیت سے غور و فکر بھی انسان کے لئے مفید ہے اور ایک مفید کام اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی قدر شناسی کی حیثیت سے نیز خدمت خلق کی نیت سے ایک کار ثواب ہے۔" اس کے بعد مفتی صاحب موصوف فرماتے ہیں:-

"قرآن کریم اس حیثیت سے کائنات عالم میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ مثلاً حرکات نجوم سے اوقات لیل و نہار، صبح و شام اور حسابات ماہ و سال معلوم کرنے کے بارے میں ارشاد ہے:-

لتعلموا عدد السنين والحساب — تاکہ جان لو تم تعداد برسوں کی اور حساب

اور سمتوں اور راستوں کی پہچان کے بارے میں ارشاد ہے۔

لتهتدوا بها في ظلمات البر والبحر — تاکہ تم راہ پاؤ ان ستاروں سے بری اور بحری اندھیروں میں۔

اور زمینی مخلوقات سے انسانی فوائد معلوم کرنے کا اشارہ اس آیت میں موجود ہے۔

خلق لكم ما في الارض — پیدا کیا تمہارے کام کے لئے جو کچھ زمین

جمیعاً[1]

میں ہے سب کا سب

غرض اس دوسری حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات و کائنات میں غور و فکر کرنا بھی مفید ثمرات و فوائد کا حامل ہے اور یہ فکر بھی منشاء قرآنی میں داخل ہے اگرچہ ثانوی درجہ میں ہو، کیونکہ پہلی حیثیت کا غور و فکر ایمان و معرفت کا نتیجہ پیدا کرتا ہے جس پر ایمان کی دائمی راحت موقوف ہے اور دوسری حیثیت کا غور و فکر انسان کے معاشی مسائل حل کرتا ہے جس سے اس کی دنیوی زندگی کی سہولت و راحت متعلق ہے۔ بہر حال قرآن کریم کائنات عالم میں خواہ وہ فلکیات سے متعلق ہوں یا ارضیات سے ان دونوں حیثیتوں سے غور و فکر کی دعوت بھی دیتا ہے اور خاص چیزوں کی طرف اشارات بھی ہے[2]" پھر کچھ آگے چل کر مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

"اس تمام تفصیل کا حاصل یہ کہ کائنات افلاک و فضا اور کائنات ارضی میں غور و فکر اس حیثیت سے کہ ان سے پیدا کرنے والے کے وجود، توحید، بےمثال علم و حکمت، قدرت و قوت پر استدلال کیا جائے عین مقصود قرآن ہے اور قرآن بار بار اس کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس حیثیت سے کہ ان سے انسان کے معاشی مسائل کا تعلق ہے یہ بھی ضرورت کی حد تک عین منشاء قرآنی ہے اور قرآن اس کی طرف بھی دعوت دیتا ہی مگر اس فرق کے ساتھ کہ ضرورت انسانی سے زائد لگژری اور محض عیش و عشرت سے متعلق چیزوں میں غور و فکر اور انہماک کو پسند نہیں کرتا اور اس حیثیت سے ان چیزوں کو غور و فکر کا مرکز بنانے اور اس میں عمر

---

[1] سورۂ بقرہ آیت ۲۹ - [2] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ محرم ۱۳۸۸ھ

عزیز صرف کرنے سے گریز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔[۱]"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک یورپین نومسلم عالم نے جو دنیا کی زندگی کے بارے میں مسلمانوں کے معتدل نقطۂ نظر اور طرز عمل کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے اس کا اقتباس یہاں ذکر کردیا جائے، وہ لکھتے ہیں :-

"اسلام عیسائیت کی طرح دنیا کے متعلق بری رائے نہیں رکھتا اس کی تعلیم ہے کہ ہم دنیاوی زندگی کی قدر و قیمت میں موجودہ مغربی تہذیب میں مبالغہ نہ کریں، عیسائیت دنیوی زندگی کی مذمت کرتی ہے اور اس سے نفرت رکھتی ہے، موجودہ یورپ روح عیسویت کے خلاف زندگی پر ایسا گرتا ہے جیسے بوالہوس کھانے پر، وہ اس کو نگلتا تو ہے لیکن اس کی عزت کرنا نہیں جانتا۔ اسلام ان دونوں کے برعکس زندگی کو سکون و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ زندگی کی پرستش نہیں کرتا بلکہ ایک بلند تر زندگی کے سفر کی ایک ضروری منزل سمجھتا ہے جس سے گذر جانا ہے اس بنا پر انسان کو اس کی تحقیر اور اپنی اس دنیاوی زندگی کی بے وقعتی نہیں کرنی چاہیئے، زندگی کے سفر میں ہمارا اس دنیا سے گذرنا ضروری اور اللہ کے یہاں مقدر ہو چکا ہے، پس انسان کی زندگی اپنی پوری قیمت رکھتی ہے، لیکن ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ محض ایک

۱۔ حوالہ بالا

واسطہ اور آلہ ہے اور اس کی قیمت اس سے زائد نہیں جو واسطوں اور آلات کی ہوتی ہے، اسلام اس مادہ پرستانہ نظریہ کا روادار نہیں جس کا قول ہے کہ میری سلطنت یہی مادہ ہے اور نہ وہ عیسائیت سے متفق ہے جو زندگی کی تحقیر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ دنیا میری سلطنت نہیں، اسلام کی راہ ان دونوں کے درمیان ہے، قرآن ہم کو اس جامع دعا کی تعلیم دیتا ہے:۔

"ربنا اتنافی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ

(اے اللہ ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی)"[1]

مگر اعتدال ہر چیز میں شرط ہے

اوپر جو مادی غور و فکر کو مستحسن کہا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم قرآن کا اصل مقصد سائنسی اور مادی ترقیات ہی سمجھ لیں اور دینیات سے آزاد ہو کر ہمہ تن مادہ کے کیڑے بنے رہیں اور اس کو قرآن کی تعلیم قرار دیتے رہیں کیونکہ کہا جا چکا ہے کہ قرآن حکیم کا مقصد اصلی کچھ اور ہے مادہ کو جو مقام شریعت نے دیا ہے یعنی ثانوی درجہ جب تک ہم اس کو وہی مقام دیئے رہیں گے ہمارا اس میں لگنا اچھی نظروں سے دیکھا جائے گا اور جہاں ہم نے اس آلہ اور واسطہ

---

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۱۶۷، از کتاب
ISLAM AT THE CROSS ROADS
BY MOHAMMAD ASAD
(FORMERLY LEOPOLD WEISS)

کو مقصد کا درجہ دیا قرآن کی نظر میں ہم اور چوپائے برابر ہو جائیں گے بلکہ ہم جانوروں سے بھی بدتر ہوں گے، قرآن کریم نے یہ تو کہا ہے کہ

خلق لکم ما فی الارض جمیعا جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

لیکن کہیں یہ نہیں کہا ہے کہ تم کو پوری طرح کائنات کے لئے پیدا کیا ہے۔ کتنی بڑی نادانی ہے کہ غلام کو آقا اور آقا کو غلام سمجھ لیا جائے، اس فرق کو شاعر اسلام علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب واضح کیا ہے ؎

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

قرآن حکیم سے کیا کیا علوم اخذ کئے گئے؟

قرآن کریم میں حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کے علوم خواہ وہ روحانی ہوں یا مادی رکھے گئے ہیں، مقصود اصلی اگرچہ علوم روحانی ہی ہیں لیکن موجود دونوں ہیں، مولانا قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں:۔

"جس طرح خدا کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ پر اس طرح محیط تھا کہ روحانیت و مادیت کا کوئی گوشہ اس سے باہر نہ تھا اسی طرح قرآن کریم جو اس محیط علم کا معبّر ہے اس درجہ جامع جملے، بلیغ تعبیرات اور ہمہ گیر تعلیمات لے کر آیا جو روحانیت اور مادیت کے دونوں سلسلوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھا ان میں سے مادیت و روحانیت، تدین و تمدن اور دنیا و عقبیٰ دونوں کے منافع یکساں طور پر نکل رہے تھے[۵]۔"

یہاں مثال کے طور پر چند ان علوم کا ذکر کیا جاتا ہے جو ملّت اسلامیہ نے قرآن حکیم سے نکالے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی مایہ ناز کتاب الاتقان میں لکھتے ہیں کہ غور کرنے والوں نے جب ان آیات کو دیکھا جن میں شب و روز کے آگے پیچھے آنے، چاند اور سورج کے اپنی اپنی لائنوں پر چلنے، ستاروں کے اپنے اپنے برجوں میں گردش کرنے کے متعلق بہت اہم نکات کا ذکر ہے تو انھوں نے

---

۵ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام ص۵۷ مؤلفہ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ان آیات سے دنوں اور مہینوں اور اوقات کا علم نکال لیا۔

اسی طرح بدنِ انسانی سے متعلق جن آیات میں اشارات ہیں ان سے سمجھنے والوں نے علمِ طب معلوم کرلیا اسی طرح ہیئتہ، ہندسہ، جبر، مقابلہ نجوم اور اس کے علاوہ بہت سے علوم و فنون نکالے گئے اور آگے نقل کرتے ہیں کہ

وجمیع ما وقع ویقع فی الکائنات ما یحقق معنی قولہ ما فرطنا فی الکتاب من شیء[۱]

اس کائنات میں جو کچھ بھی اب تک پیش آچکا ہے یا آئندہ پیش آنے والا ہے وہ سب کا سب خدائے تعالیٰ کے اس قول کو ثابت کرتا ہے کہ ہم نے کوئی چیز بھی اس کتاب میں لانے سے نہیں چھوڑی ہے۔

اس کے بعد کچھ آگے چلکر علامہ موصوف ایک دعویٰ کرتے ہیں:۔

"میں کہتا ہوں کہ کتاب اللہ میں ہر شے کا بیان ہے اور علوم کی تمام قسموں میں سے کسی علم کا کوئی موضوع اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو کسی علم و فن کی بنیاد ہو اور قرآن کریم میں کسی نہ کسی طرح سے اس پر دلالت نہ موجود ہو، قرآن کریم میں حیرت انگیز مخلوقات اور زمینی و آسمانی سلطنت کا بھی ذکر ہے اور افق اعلیٰ سے لے کر تحت الثریٰ تک کا بیان ہے[۲]"

اس کے بعد علامہ سیوطی نے بہت سی ان مستقل تصانیف کا ذکر کیا ہے جن میں صرف قرآن سے نکالے ہوئے علوم کی تفصیل ہے

---

[۱] الاتقان ج ۲ ص ۱۲۸ [۲] الاتقان ص ۱۲۹/۲

غیر مسلموں نے قرآنِ کریم سے کیا کیا مادی فائدے اٹھائے

لئے علم و فن اس سے نصرانیوں نے
کیا کسب اخلاق روحانیوں نے

ادب اس سے سیکھا اصفاہانیوں نے
کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے

کتنی عجیب بات ہے کہ جس قوم پر قرآن کریم نازل ہوا وہ تو اس کو ریشمین جزدانوں میں لپیٹ کر طاقوں میں رکھ کر بیٹھ رہی اور غیروں نے اس میں غور و فکر کیا اور خوب خوب دنیاوی فائدے اٹھائے، یہاں اس کو تفصیل سے لکھا جائے تو مضمون بہت طویل ہوجائے گا صرف ایک مثال لکھ کر یہ بتانا ہے کہ اگر ہم بھی قرآن کریم سے اس کے اصل اور بنیادی مقصد سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ یہ فائدے بھی حاصل کرتے تو شریعت کی نظر میں یہ کچھ برا نہ تھا۔

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد کیپٹن ممتاز ملک کا ایک بہت اہم مضمون شائع ہوا تھا جس میں مشرق وسطیٰ میں عربوں اور یہودی قوم کے متعلق چند ٹھوس حقائق پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:

”یہودیوں نے سب سے زیادہ ترقی قرآن حکیم اور انجیل سے استفادہ کرکے کی، ایک خاص ریسرچ سنڈی کیٹ قائم کیا گیا جس میں عربی اور عبرانی زبانوں کے ماہر مذہبی لیڈر سال بھر تحقیق و تدقیق میں مصروف رہتے تھے۔ یہود کے پاس اپنی الہامی کتاب ”تورات“ تو تھی ہی نہیں

لیکن انھوں نے قرآن حکیم اور قدیم انجیل کی آیات کے مطالعہ اور ان کے مضامین کے تجزیہ اور مزید تحقیق سے بڑا فائدہ اٹھایا،

انھوں نے عاد و ثمود کی قوم پر قہر خداوندی، نزولِ آگ اور پتھر میں غور کیا کہ کیسے بستیوں پر برسے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ وہاں یقیناً زمین کے نیچے آتشگیر مادوں مثلاً گیس یا تیل کے ذخائر ہوں گے پیغمبروں کی اس سرزمین میں سروے کیا گیا وہ جگہ ڈھونڈھ لی گئی جہاں عاد و ثمود آباد ہوئے تھے اور وہاں سے پٹرول نکال لیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی کانوں کا ذکر (تانبے والی) پڑھا جو انجیل میں موجود ہے تو بحیرۂ روم کے کنارے تانبے کی کانیں دریافت کر لیں جن سے سالانہ دو لاکھ ٹن تانبہ نکالا جاتا ہے۔

انجیل میں پڑھا کہ فلاں مقام پر حضرت داؤد علیہ السلام اپنی گائیں چرا رہے تھے گائیں اِدھر اُدھر پھیل گئیں لیکن لحنِ داؤدی سنتے ہی وہ پھر اکٹھا ہو گئیں اس واقعہ کا بھی تجزیہ شروع ہو گیا۔ اگر اس زمانہ میں حضرت داؤدؑ وہاں گائیں چراتے تھے تو یقیناً گھاس اور درخت ہوتے ہوں گے اور نباتات پانی کے بغیر نہیں ہو سکتی یہ جگہ اب تو لق و دق و بنجر علاقہ ہے وہ پانی کہاں سے آتا تھا؟ اسرائیل میں سالانہ صرف ۳½ بارش ہوتی ہے پھر اس زمانہ میں یہ علاقہ شاداب کیونکر تھا؟ بس جناب متعلقہ محکموں کے ماہرین نے تحقیق اور سروے شروع کر دئے، اور دو سال کے اندر اندر یہ انکشاف ہوا کہ اس علاقہ میں

وہ ہزار سال سے مٹی کے پہاڑوں کا ٹوٹا پھوٹا سلسلہ سمجھا جاتا رہا تھا
وہ دراصل داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ایک بہت بڑا ڈیم (DAM)
بند تھا جس کی مدد سے بارش کا پانی جمع کر لیا جاتا تھا۔ اس ٹوٹے پھوٹے
بند کو از سرِ نو درست کیا گیا اور سال بھر میں ۱/۲ ۳ انچ بارش سے اتنا
پانی جمع کر لیا گیا کہ اس ڈیم سے نہریں نکال کر خشک زمینوں کی آبپاشی
کر کے اس علاقہ کو زرخیز زرعی علاقہ میں بدل دیا گیا۔"[1]

غور کرنے کا مقام ہے کہ "یقینِ محکم" اور "عملِ پیہم" کی کیا زندہ مثال ہے قرآن اور انجیل سے استفادہ کون کر رہا ہے؟ اسلام اور مسلمانوں کا ازلی دشمن۔ غور و فکر، جدوجہد، قوتِ تلاش و تحقیق، محنت، ایسے اوصاف ہیں جنہیں قدرت کے عالمگیر قوانین کی حیثیت حاصل ہے ان پر کافر و ملحد بھی عمل پیرا ہو تو اسے فائدہ پہنچے گا اور ان سے منہ موڑنے والے اگر مومن بھی ہوں گے تو وہ اتنا ہی نقصان اٹھائیں گے جتنا کہ ان پر عمل کرنے والے فائدہ اٹھائیں گے۔ قرآن یا انجیل کوئی ایسی نایاب چیزیں نہ تھیں جو کسی اور کو نہ مل سکتی ہوں لیکن اصل فرق فائدہ اٹھانے اور نہ اٹھانے کا ہے ایک قوم کے پاس جب یہی چیزیں پہنچیں تو اس نے صرف اس کے الفاظ و حروف کو دیکھ کر چھوڑ دیا اور دوسری زندہ قوم نے جب اسے دیکھا تو اپنی تنگ زندگی کو پُر مسرت اور خوشحال زندگی بنا لیا اور اپنے بنجر جنگلات

---

[1] مضمون "اسرائیل کی تازہ جارحیت کیوں کامیاب رہی؟" قسط ۲ از کیپٹن ممتاز ملک۔
منقولہ از اخبار مدینہ بجنور ۱۳ جولائی ۱۹۶۷ء

کو باغ و بہار میں تبدیل کر ڈالا۔ لیکن اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ قرآن کریم کو جس نے اپنی زندگی سے ہم آہنگ کرنا چاہا خواہ وہ ایمان سے محروم ہی تھا اس نے اس سے فائدہ اٹھایا، ہم نے اگر چودہ سو برس تک اسے صرف گلے کا تعویذ ہی بنائے رکھا اور سوائے تبرک اور جھاڑ پھونک کے اس سے کوئی اور کام نہ لیا تو اس میں قصور کس کا ہے۔ آخر قرآن کو محض ایک جھاڑ پھونک اور بھوت بھگانے کا ایک منتر یا تعویذ قرار دینے والی قوم میں اور اس کو فکر و تدبر کا میدان بنانے والی قوم میں کچھ تو فرق ہونا ہی چاہیئے کتنے ہیں کہ جو اس کو صرف موت کے وقت کی سختیوں کے دور کرنے اور ایصال ثواب کے علاوہ اور کسی کام کا نہیں سمجھتے اور جس طرح عیسائی دل کی طرف والی جیب میں انجیل رکھے پھرتے ہیں اسی طرح اس خیال کے مسلمان بھی مقدمہ اور دوسرے مواقع پر جیب میں قرآن رکھے پھرتے ہیں۔ درحقیقت قرآن حکیم کو ان حقیر مقاصد کے لئے استعمال کرنا ایسا ہے جیسے کسی شخص کو قلعہ شکن توپ دی جائے اور وہ اس سے مچھر مارنے کا کام لینے لگے۔

آج کا مسلمان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے قسم کھالی ہے کہ قرآن میں غور و فکر نہ کرے گا اس کے معانی و مطالب سمجھنے کی کوشش نہ کرے گا، دنیا کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس نے قرآن مجید سے زیادہ اس بات پر زور دیا ہو کہ اس کا حقیقی فائدہ اس کے غور و تدبر کے ساتھ پڑھنے میں ہے لیکن یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ یہی کتاب ہے جو ہمیشہ آنکھ بند کر کے پڑھی جاتی ہے معمولی سے معمولی تحریر بھی آدمی پڑھتا ہے تو وہ اس کے سمجھنے کے

لئے اپنے ذہن وفکر کو حاضر کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن قرآن کے ساتھ بہت سے اچھے خاصے پڑھے لکھے اور عربی دانوں کا بھی یہ عجیب معاملہ ہے کہ جب اس کی تلاوت شروع کرتے ہیں تو ذہن وفکر کو بالکل اس سے بے تعلق کر لیتے ہیں اور معانی و مطالب گویا کوئی توجہ کی چیز ہی نہیں ہوتی۔

میں الحمدللہ ان تجدد پسندوں میں سے نہیں ہوں جو قرآن مجید کو اس کے معنی سمجھے بغیر پڑھنے کو طوطے کی رٹ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ بلاشبہ قرآن کریم کی تلاوت جس طرح بھی کی جائے نفع سے خالی نہیں ہے اور ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں بغیر معنی سمجھے بھی بالکل برحق ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آدمی غور و فکر کو قطعاً چھوڑ دے۔ قرآن میں جگہ جگہ غور و فکر کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور بار بار مختلف پیرایوں میں اس کی تاکید کی گئی ہے ایک مقام پر ارشاد ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ	کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر
(نساء ۸۲)	نہیں کرتے۔

اور ایک جگہ تو بڑے غضبناک لہجے میں ارشاد ربانی ہوتا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ	تو کیا یہ لوگ قرآن مجید میں غور و فکر
اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا	نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں میں تالے
(سورۂ محمد آیت ۲۴)	پڑ گئے ہیں؟

ایک جگہ ارشاد ہے:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ	یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جس

لِيَدَّبَّرُوا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (سورۃ ص آیت ۲۹)	کو ہم نے آپ پر (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس لئے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ (غور و فکر کے ذریعہ اس سے) عقل والے لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اور رہنمائے انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

لا توسدوا القرآن واتلوہ حق تلاوتہ اٰناء اللیل و النہار وافشوہ وتدبروا ما مافیہ لعلکم تفلحون (بیہقی من حدیث عبیدۃ الملکی مرفوعاً و موقوفاً[1])	قرآن کریم سے غفلت نہ برتو اور شب و روز اس کی اس طرح تلاوت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے اور اس کو عام کرو، پھیلاؤ اور اس کے (مضامین کے) اندر غور و فکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

علامہ نوویؒ نے جہاں یہ بحث کی ہے کہ روزانہ تلاوت کی مقدار کیا ہونی چاہیئے وہاں لکھا ہے کہ "جس شخص کے سامنے باریک بینی اور دقتِ نظر کی وجہ سے قرآن کریم کے بہت سے لطائف و معارف کھلتے ہوں اس کو بس اتنا ہی پڑھنا چاہیئے جتنے کو وہ بآسانی پوری طرح سمجھ سکے[2]" ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "تلاوت مطلوب تو وہی ہے جو غور و فکر کے ساتھ ہو[3]"

۱؎ اتقان ج ۱ ص ۱۰۴ ۲؎ کتاب الاذکار للنووی ص ۱۰۴ (مطبعۃ حجازی بالقاہرۃ) والاتقان ص ۱۰۵
۳؎ کتاب الاذکار ص ۱۰۵

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ "مسنون طریقہ یہی ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت غور و فکر اور سمجھ بوجھ کے ساتھ کی جائے کیونکہ قرآن کریم کا یہی سب سے اہم اور عظیم مقصد ہے اور اسی سے سینے کھلتے اور قلوب روشن ہوتے ہیں"[1]

قرآنِ پاک سمجھ کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے

رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

من قرأ القرآن فاعربہ کان لہ بکل حرف عشرون حسنۃ ومن قرأ بغیر اعراب کان لہ بکل حرف عشر حسنات[2] (بیہقی عن ابن عمرؓ)

جو شخص قرآن شریف پڑھے اور "اعراب" کے ساتھ (یعنی سمجھ کر) پڑھے اسے ہر حرف پر بیس نیکیاں ملتی ہیں اور جو بغیر "اعراب" کے پڑھے اسے ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ "اعراب" سے مراد یہاں پر علم نحو کے اعراب (زبر زیر پیش) نہیں بلکہ سمجھ کر پڑھنا مراد ہے کیونکہ جو شخص زبر زیر پیش کی غلطیوں کے ساتھ پڑھے گا اسے تو دس نیکیاں کیا ایک بھی نہیں ملے گی[3]

اسلام اور قرآن کے فدائی مولانا محمد علی جوہر (اللہ ان کی قبر پر رحمت برسائے) نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ "میں ہرگز ان لوگوں کے طرفداروں میں نہیں جو کلامِ ربانی سے اس درجہ خائف ہو جائیں کہ اسے کبھی سمجھ کر پڑھنے کی کوشش

---

[1] اتقان صـ ۱۰۶/۱ [2] اتقان صـ ۱۱۳/۱ [3] ایضاً

کریں نہ اس کے متعلق کچھ سوچیں نہ پوچھیں گچھیں۔ کلام پاک ریشم کے جزدانوں اور الماری کے بالاترین حصوں اور وہاں کے گرد و غبار کے لئے آسمان سے نازل نہیں ہوا تھا، میں چاہتا ہوں کہ قرآن پاک کا ہر ایک نسخہ اس کثرت سے مستعمل ہو کہ پنسل کے نشان، کاغذی پٹیاں، بین الاوراق، یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے نشان ہر جگہ نظر آئیں اور ثابت کردیں کہ اس کتاب سے زیادہ اس کے ماننے والے کسی کتاب کو نہیں پڑھتے، نہ اس سے زیادہ کسی کتاب کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں[1]"

ان گذارشات کا مقصد نہ تو یہ ہے کہ قرآن کریم سے جسمانی شفا وغیرہ کا کام لینا غلط ہے کیونکہ خود صحابہ کرام نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر بیمار پر دم کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید فرمائی[2] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ سورۂ فاتحہ ہر بیماری کا علاج ہے[3] اور نہ یہ مطلب ہے کہ بغیر سمجھے پڑھنا بے فائدہ ہے کیونکہ ابھی اوپر حدیث گذری ہے کہ بغیر سمجھے پڑھنے پر بھی دس نیکیاں ملتی ہیں، بس مقصد ان معروضات کا یہ ہے کہ قرآن کریم کو تعویذ گنڈوں اور برکت و ثواب سے کہیں زیادہ اپنی زندگیوں میں شریک کرنے اور عملی زندگی میں لانے کی ضرورت ہے اور یہی اور صرف یہی اس کے نزول کا مقصدِ اصلی ہے،

---

[1] "محمد علی" ذاتی ڈائری کے چند اوراق۔ از محترم مولانا عبدالماجد دریا بادی ج ۱ ص ۴۶

[2] بخاری عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ اتقان ص ۱۶۳/۲

[3] بیہقی عن عبداللہ بن جابر۔ اتقان ص ۱۶۳/۲

اگر یہ بات نہ ہوتی تو تعویذ گنڈے انسانوں کے پاس نزولِ قرآن سے پہلے بھی بہت تھے اور نزول کے بعد بھی جن لوگوں نے اسے مانا نہیں ہے تعویذ گنڈوں کی ان کے یہاں بھی کوئی کمی نہیں ہے ــــ خدا کرے کہ ہم اس کو الماریوں سے نکال کر عمل کے میدان میں لے آئیں اور اس سے وہ کام لیں جس کے لئے وہ آیا ہے۔

غور وفکر کا نتیجہ

قرآن کریم کی دیگر آیات سے قطع نظر صرف آیات کونیہ (یعنی جن میں کائنات کی چیزوں کا ذکر ہے) میں بھی غور وفکر کے دو نتائج نکلتے ہیں ایک تو یہ کہ کائنات کی عجیب وغریب چیزوں کو دیکھ کر ان سے خدائے ذو الجلال کی عظمت وکبریائی اور اس کی طاقت و قدرت کو پہچانا جائے اور اس طرح اپنے ایمان کو قوت بخشی جائے، دوسرا نتیجہ غور وفکر کا یہ بھی ہوتا ہے کہ چیزوں کے نئے نئے بھید اور پوشیدہ راز معلوم ہوں اور ان کی عجیب وغریب خاصیتوں کا انکشاف ہو، اور ان سے بے شمار فائدے اٹھائے جاسکیں۔

اگر غور وفکر کے ساتھ مادی طرزِ فکر اور علوم وفنون کو بھی ملا لیا جائے اور جدید سائنسی آلات کی مدد سے سوچ وفکر کو آگے بڑھایا جائے تو ان دونوں نتائج میں حیرت انگیز اضافہ ہوگا اور صرف یہی نہیں کہ مادی آلات و ذرائع صرف ایجادات کے لئے ہی مفید ہوتے ہیں اور خدا کی ذات وصفات سے آنکھیں بند کر دیتے ہیں بلکہ ذات وصفات کی پہچان میں بھی نہایت مفید ثابت ہوتے ہیں، اب آپ ذرا غور کیجئے کہ ایک شخص جوار کو اپنے کھیت کی ڈول

پر بیٹھا ہوا فضا میں بکھرے ہوئے ان بے شمار تاروں کو دھان کی کھیلوں کی طرح سفید سفید بکھرے ہوئے دیکھ رہا ہے اور قدرت کی اس حسن آرائی پر خوش ہو رہا ہے اس میں اور اس انسان میں جو اعلیٰ قسم کی دوربینوں کے ذریعہ فضائے آسمانی کا سینہ چاک کر کے مریخ و مشتری کے جگر پاروں تک میں نظریں گڑائے ہوئے ہے اور اپنی اس زمین سے کئی کئی گنا بڑے ستاروں کو دیکھ رہا ہے اور ان کی بے پناہ سرعت و تیزی کا مشاہدہ کر رہا ہے اور پھر ان کا اپنی راہوں پر شدت سے پابند رہنا دیکھ رہا ہے، سوچئے یہ انسان خدا کی قدرت کو زیادہ پہچان سکتا ہے یا وہ انسان جو بہت سے بہت ان ستاروں کو ایک جینی کی پرچ بلکہ ہار کے ایک موتی سے زیادہ نہیں سمجھ رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح جو یقین کی کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ اس قدر تیز ہوتی ہے کہ ایک منکر خدا، دہریئے اور ملحد تک سے خدا کی عظمت و قدرت کا اعتراف کرا لیتی ہے، ایک بار سر ڈیوڈ بروسٹر تجربہ گاہ میں پانی کے ایک قطرہ کا مطالعہ کر رہا تھا، اسے پتہ چلا کہ پانی کے ہر ذرہ (ATOM) کی ترکیب ایک گھڑی کی مشین سے بھی کہیں زیادہ پیچیدہ ہے، یہ دیکھ کر اس پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہوئی اور وہ فرط حیرت سے پکار اٹھا:

OH GOD! HOW MARVELLOUS ARE THY WORKS

"اے رب! تیرے کام بھی کس قدر حیرت انگیز ہیں"۔

لے مشتری ہماری زمین سے ۱۳۰۰ گنا بڑا ہے اور زحل زمین سے ۷۱۸ گنا ہے۔ نیپچون جو سب سے دور ہے زمین سے ۵۵ گنا بڑا ہے۔

ہماری یہ زمین خود اپنے محور پر بھی گھومتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ سورج کے گرد بھی چکر لگاتی ہے، اور اس کی یہ رفتار کئی ہزار میل فی گھنٹہ ہے لیکن توازن کا یہ عالم ہے کہ کہیں کوئی لرزش، ہچکولا یا جھٹکا نہیں محسوس ہوتا، زمین کے اس حیرت انگیز توازن و یکسانیت کو دیکھ کر سر جیمز بول اٹھتا ہے:

"اس کا ئنات ہوتی ہوئی کائنات میں ایک دقیق اور ماوراء الافلاک کاریگری سے عدل و توازن پیدا کیا گیا ہے۔"

لندن یونیورسٹی کے ماہر فنِ تشریح پروفیسر ڈیوڈ فریلیسر نے جب جسمِ انسانی کا حیرت انگیز نظام اور تخلیق الٰہی کی مبہوت کن صناعی کا مشاہدہ کیا تو حیرت زدہ ہو کر پکار اٹھا۔

"صحیفۂ فطرت کی مبہوت کن اور چونکا دینے والی عظمت سے دل دہل جاتا ہے۔"

سنہ ۱۹۳۴ء میں لندن سے ایک کتاب (THE GREAT DESIGN) شائع ہوئی ہے جس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خواہ ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں مگر فطرت کے پس منظر میں ہم اس لامحدود ذہن و فراست کا ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں جس کے سبب کائنات کا نظم و نسق برقرار ہے۔"

مشہور سائنس داں سر اسحٰق نیوٹن جس نے پہلی بار نظام شمسی کی باہمی کشش کا نظریہ پیش کیا تھا، بعد میں وہ اس لئے شک میں پڑ گیا کہ جب کشش کا عمل خطِ مستقیم میں ہوتا ہے تو سیاروں کی حرکت دوری کیونکر ممکن ہے اور بالآخر اس کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ضرور کوئی ایسی بالاتر ہستی ہے جو کائنات کو اپنی بے پناہ

قوت و قدرت کے ذریعہ کنٹرول کئے ہوئے ہے اور ایک مخصوص ضابطے کے ذریعہ حرکت دے رہی ہے۔

ہربرٹ اسپنسر لکھتا ہے " کائنات کے اسرار و غوامض میں جس قدر بھی غور و خوض کیا جائے ایک اور واضح حقیقت نظر آتی ہے کہ انسان کے اوپر ضرور کوئی ایسی ازلی و ابدی قوت ہے جس سے یہ تمام کائنات جلوہ گر ہے "

ماہر حیاتیات و عضویات کا جارج ولیم کلائز کائنات کی تخلیق پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

" یہ بات میری عقل کسی طرح نہیں مان سکتی کہ ہماری یہ دنیا ایک اتفاقی حادثہ کی شکل میں موجود ہو گئی ہے۔ اس کائنات کی گوناگونی اور پیچیدگیاں کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ ہرگز نہیں ہو سکتیں "

ایک انگریز مفکر و فلسفی فرانس بیکن نے آج سے تقریباً تین صدی قبل ایک بڑی گہری حقیقت کا اظہار کیا تھا، اس نے کہا تھا کہ :

" فلسفے کا سطحی مطالعہ انسان کو الحاد کی طرف لے جاتا ہے لیکن اسی فلسفے کی گہرائیوں میں اتر جائے تو آدمی مذہب کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہے گا "

اس کائنات کا جدید طرز پر مطالعہ کرنے سے جو قدرت کی صناعی اور اس کی عظمت حاصل ہوتی ہے اگرچہ وہ فرض نہیں ہے۔ ایک آدمی اگر سادہ طور پر خدا کو خالق و رب مانتا ہے تو یہ اس کے مومن ہونے کے لئے کافی ہے لیکن اگر ایک ایمان والا شخص قدرت کی ان کرشمہ سازیوں کو گہری نظر سے دیکھتا ہے

تو اس کے ایمان میں پہاڑوں کی سی پختگی اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ آخر سُنا ہوا اور دیکھا ہوا برابر تو نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بات پر پوری طرح ایمان رکھتے تھے کہ خدائے پاک موت کے بعد دوبارہ زندگی دینے پر قادر ہے اور اس پر پوری طرح انشراح تھا لیکن مزید طمانیت قلب اور مشاہدۂ عینیہ کے لئے انھوں نے درخواست کی کہ یا رب مجھے کر کے بھی دکھا دے۔

غور و فکر سے کیا مراد ہے؟

قرآن کریم کی ایک بڑی عجیب و غریب خصوصیت یہ ہے کہ عام لوگوں کے لئے وہ آسان بھی اتنا ہے کہ وہ خود اعلان کرتا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (سورۂ قمر)

ہم نے قرآن کریم کو سمجھنے والوں کے لئے آسان کر دیا ہے پس ہے کوئی جو اسے سمجھ اور اس سے نصیحت لے

اور عقلِ خداداد اور فکر و نظر کی بلند پروازیاں رکھنے والے اور علومِ اسلام کے شہسواروں کے لئے اتنا گہرا، اتنا پُر معنی اتنا ہمہ گیر اتنا جامع اور اتنا ذو معانی بھی ہے کہ:

لا تنقضی عجائبہ [1]

اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے۔

---

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور مقولہ ہے۔

عام تعلیم کے اعتبار سے وہ اتنا واضح اور آسان ہے کہ زندگی کو جس رُخ پر ڈالنا چاہے اس کی طرف ہر شخص کو پہلی ہی نظر میں رہنمائی کر دیتا ہے۔ حلال و حرام کی تمام حدیں نہایت آسان اور صاف لفظوں میں بتا دیتا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اندر اتنا عمق اور گہراؤ بھی رکھتا ہے کہ چودہ سو برس سے آج تک ہر ہر زمانے میں ہزاروں لاکھوں انسانوں نے اس کی تہوں میں غوطہ زنی کی ہے اور ہر زمانے کے مطابق اس کے اندر سے بے شمار ہیرے نکالے ہیں اور آج بھی دنیا اس کے اندر سے بے شمار علوم کے خزانے نکال رہی ہے لیکن ابھی تک اس کے عجائبات اور اس کی گہرائیوں کا عشرِ عشیر بھی انسان نہیں نکال سکا ہے۔

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ غور و فکر سے جو نئے نئے علوم و معارف کھلیں ان کے جانچنے اور پرکھنے کی کسوٹی کیا ہو، اگر ہر وہ بات جو قرآن کریم کی آیات سے کسی کی سمجھ میں آجائے حق سمجھ لی جائے تو قرآن سے بڑا فتنہ دنیا کے لئے کوئی نہ ہوگا اور ہر دماغی اُپج قرآن کا مقصد اور ہر شیطانی وسوسہ قرآن کا تقاضہ ہو جائے گا اور حق و باطل بالکل گڈمڈ ہو کے رہ جائے گا اور ہر وہ شخص جس کو اپنے عقلمند ہونے کا خیال ہو گیا ہو اور دو چار دینیات کی کتابوں کا مطالعہ کر لیا ہو یا بہت سے بہت چند عربی جملوں کا الٹا سیدھا ترجمہ کر لیتا ہو مجتہد بن بیٹھے گا۔

اس لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی ضابطہ ہو اور اس کی کچھ حدیں ہوں کہ ان کے اندر اندر جو کچھ ہے درست ہے اور جو اُن حدود سے نکل گیا باطل ہے

چنانچہ ہمیشہ سے اہل علم کے یہاں ضابطہ یہ رہا ہے کہ قرآنی آیات میں غور و فکر کرنے کے بعد جو بات سمجھ میں آئے اگر وہ حدود شریعت اور قرآن و حدیث کی عام نصوص کے مطابق ہے اور عربیت کے لحاظ سے وہ بات الفاظ قرآنی سے نکلتی ہے اور اصول شرعیہ میں سے کسی اصول سے ٹکراتی نہیں اور کسی اجماعی فیصلہ کے بھی خلاف نہیں ہے تو وہ بات صحیح مانی جائے خواہ اب سے پہلے وہ بات کسی نے نہ کہی ہو[1] اور جو بات اس اصول کے خلاف ہو وہ غلط اور قابل تردید ہے خواہ اب سے پہلے کچھ علماء تفسیر اسے لکھ گئے ہوں[2] چنانچہ آگے ہم ایسی مثالیں ذکر کریں گے کہ ایک بات قرآن حکیم کے الفاظ سے سمجھی گئی ہے لیکن پہلے کسی مفسر نے وہ نہیں کہی۔

اور رہا یہ خیال کہ جو بات کسی نے پہلے نہ کہی ہو وہ غلط ہے تو یہ بہت ہی کم عقلی اور قلت فکر و تدبر کی بات ہے اس لئے کہ اس طرح سے تو کسی مفسر کی بھی کوئی بات قابل تسلیم نہ رہے گی کیونکہ نقل کا ہر سلسلہ کسی نہ کسی ایسے تک جا کر ختم ہو جائے گا

---

[1] چنانچہ ایک ایک آیت کے بارے میں متقدمین و متاخرین کی مختلف رائیں اسی وجہ سے ہوئیں۔ کم ترک الاول للآخر۔

[2] جیسا کہ بہت سے محققین اہل تفسیر نے اپنے سے پہلے لوگوں کی خلاف قواعد تفسیر کی تغلیط کی ہے جس کی مثال سورۂ حج کی ۵۲ ویں آیت اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ کی تفسیر میں درج شدہ قصہ غرانیق ہے کہ متقدمین میں سے بہت سے علماء نے اس کو لکھا ہے مگر بعد میں محققین نے اس کو غلط قرار دیا اسی طرح یوم ندعو کل اناس بامامھم میں امام کو محمد بن کعب نے اُم کی جمع کہا ہے جس کی زمخشری اور جمل وغیرہ نے تغلیط کی ہے اور اس کی مثالیں بہت ہیں۔

جس سے پہلے وہ بات کسی نے نہ کہی ہوگی، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آیت کی تفسیر لکھ کر کہا ہے۔ " ہر چند اس آیت کی یہ تفسیر کسی اور نے نہ لکھی ہو جیسے مفسران متاخرین نے مفسران متقدم کے خلاف کیا ہے میں نے یہی ایک نئی بات کہہ دی تو کیا ہوا[1]"

اس کے بعد حدیث، مَنْ فسّر القرآن برأیہ فقد کفر کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: " اگر کوئی دلیل عقلی یا نقلی ہو اور پھر بقدر قوت دلیل و قرینہ کوئی شخص کسی احتمال کو راجح کہے تو ہرگز کفر نہیں ورنہ ہمیشہ تک دقائق و نکات کا نکلتے جانا جیسے بعض احادیث مرفوعہ مثل لا یشبع منہ العلماء و لا یخلق عن کثرۃ الرد ولا ینقضی عجائبہ اس پر دلالت کرتی ہیں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے[2]"

---

[1] تحذیر الناس ص ۳۶ [2] ایضاً۔

قرآنِ حکیم میں آئندہ واقعات کی خبریں

گذشتہ صفحات میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ قرآن کریم میں ہر ہر چیز کا بیان ہے خواہ وہ صراحتہً ہو یا صرف اشارات ہوں اور ظاہر ہے کہ ہر ہر چیز کا تفصیلی بیان آبھی کیسے سکتا تھا اور اگر ذکر کیا بھی جاتا تو کتنی چیزیں ایسی تھیں جو لوگوں کی عقلوں میں بھی نہ آتیں اور وہ صاف انکار کر دیتے اور عربوں کی بات تو خیر پرانی ہے اب سے دس سال پہلے اگر کوئی یوں کہتا کہ ۱۹۶۹ء میں انسان چاند پر پہنچ جائے گا تو کون مانتا اور دس سال بھی جانے دیجئے اب پہنچ جانے کے بعد بھی کتنوں کے دماغ اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تو اگر چودہ سو برس پہلے آج کی خبریں صاف صاف کہہ دی جاتیں تو کون مانتا اس لئے صرف اشارات اور وہ بھی بہت ہلکے اور خفی کئے گئے تاکہ جوں جوں انسانی عقل و تجربات بڑھتے رہیں اتنا ہی یہ اشارات ان کے سامنے آتے رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم (ترمذی وغیرہ[1])	قرآن کریم میں تم سے پہلے کے حالات بھی ہیں اور بعد میں پیش آنے والے واقعات کی خبریں بھی ہیں اور تمہارے موجودہ حالات کے لئے احکام بھی ہیں

خطابی اور زرکشی نے جہاں قرآن کے وجوہ اعجاز اور اس کے مافوق البشریۃ ہستی کا کلام ہونے کی تفصیل بیان کی ہے وہاں لکھا ہے کہ اس کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ

---

[1] اتقان ص ۱۲۶/۲

اس میں آئندہ زمانوں میں ہونے والے واقعات کی خبریں ہیں"[1]
چنانچہ زمانہ اپنی دوڑ میں جس منزل پر پہنچکر بھی قرآن کی طرف نظریں اٹھاتا ہے اپنے کو اس سے بے نیاز اور اسے اپنے سے بیگانہ نہیں پاتا اور اس کی کسی نہ کسی آیت پر پھڑک اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ بس یہ آیت تو میرے اسی وقت کے لئے اتری ہے اور ذرا نادانی اور سطحیت میں آتا ہے تو یہاں تک کہہ اٹھتا ہے کہ آج سے پہلے اس آیت کا صحیح مطلب سمجھا ہی نہیں جا سکتا تھا، اور انسان جب اپنے اس سفر زندگی میں ایک موقع پر لاکھوں میل کی آوازیں اِدھر سے اُدھر آتے دیکھتا اور ایک دنیا کی باتیں دوسری دنیا میں سُنتا ہے اور پھر اچانک اس کی نظر اس آیت[2] پر پڑتی ہے:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ	اور گھبرا دے ان میں سے جس کو تو گھبرا سکے
بِصَوْتِكَ (بنی اسرائیل-۶۴)	اپنی آواز کے ذریعہ۔

تو یہ چونک اٹھتا ہے کہ کیا یہ وہی قرآن ہے جو آج سے سو پچاس برس نہیں چودہ سو برس پہلے ایک پسماندہ غیر مہذب، ریگستانی قوم کو دیا گیا تھا یا کسی بیسویں

۱؎ اتقان صہ ۱۲۱/۲ و صہ ۱۲۲

۲؎ اس آیت میں خدائے پاک شیطان کو مخاطب کرکے انسان کے بارے میں فرماتا ہے کہ تو اسے اپنا خوب گرویدہ بنا لے مفسرین نے مزامیر اور گانے بجانے کے تمام آلات کو اسی میں شامل کیا ہے۔ اور آج ریڈیو اور ترقی یافتہ موسیقی سب اس میں شامل ہے ۔۔ بلکہ ریڈیو نے تو شیطانی آوازیں دنیا کے چپہ چپہ میں پہنچا دی ہیں۔

صدی کے سائنٹسٹ (SCIENCEIST) کا کلام ہے پھر جب اس کی نظر اسی آیت کے اگلے فقرے:

وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (بنی اسرائیل ۶۴)

اور ساجھا (مشارکت) کر ان سے مال اور اولاد میں۔

پر پڑتی ہے اور اس میں اسے کمیونزم (اشتراکیت) کے فتنے کا اشارہ نظر آجاتا ہے تو اس کی حیرت کی انتہاء نہیں رہتی اور بڑی مشکل سے اسے یقین آتا ہے کہ یہ راکٹوں کی دنیا کے کسی ماہر معاشیات کی بات نہیں، اور جب ایک ستر سالہ بوڑھا کپتان تمام زندگی جہاز رانی میں گذار کر زندگی کی آخری گھڑیوں میں دریا کی پہنائیوں، تہ بتہ موجوں اور گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں کھو کر قرآن کریم کی آیت:

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔ (سورۂ نور ۴۰)

یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھتی آتی ہے اس پر ایک لہر اس پر ایک اور لہر اس کے اوپر بادل، اندھیرے ہیں ایک پر ایک۔

کو دیکھتا ہے تو اسے اتنا صبر بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ ظلمت و تاریکی کے ان بادلوں سے تو نکل آئے اور وہ بے تحاشہ وہیں قرآن کی صداقت کا اقرار کر لیتا ہے کہ جو منظر زندگی بھر جہاز چلانے کے بعد میں نے بھی آج پہلی بار دیکھا ہے ریگستانی نبی جس نے سرزمین عرب سے باہر قدم نہیں رکھا بغیر کسی مافوق البشریہ ہستی کی تعلیم کے یہ بات ہرگز ہرگز اپنے پاس سے نہیں کہہ سکتا۔

قرآن کی ہر زمانے کے ساتھ اس درجہ حیرت انگیز مطابقت دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قرآن قیامت تک آنے والے تمام زمانوں کا نقش اور ہر دور کے رجحانات کا عکس ہے انسان زمانے کے اس سفر میں جہاں بھی کہیں پہنچ کر اس پر نظر ڈالتا ہے اسے اپنے حالات کے عین مطابق پاتا ہے اور ہر حال اور ہر موقع کے مناسب ہدایات اور نصیحتیں اس سے لیتا ہے اور جب تک بھی انسان اس کو ایک برتر ہستی کا کلام سمجھ کر عظمت و قدر کی نگاہ سے دیکھتا رہے گا اور اسے اپنا ہادی و رہنما سمجھتا رہے گا اسی وقت تک یہ انسانوں کی رہنمائی کرتا رہے گا خواہ وہ راکٹوں کے دور میں نہیں بلکہ کسی ایسے دور میں پہنچ جائے جس میں راکٹوں کو بھی "دقیانوسی چھکڑے" قرار دیدیا جائے اور ایک سیارے سے دوسرے سیارے کا سفر برآمدہ سے صحن میں آنے کی طرح ہو جائے۔

اور جن بد قسمت ازلی محروموں نے اس کو کوئی بڑی چیز نہ سمجھا اور چند پرانے قصے کہانیوں کی کتاب یا مختلف کتابوں سے لے کر جمع کی ہوئی نصیحتوں کا مجموعہ قرار دے کر چھوڑ دیا تھا وہ آج کیا چودہ سو برس پہلے بھی محروم کے محروم اور شقی کے شقی ہی رہے۔

نئی نئی سواریوں کا ذکر قرآن کریم میں

قرآن کریم میں جہاں گھوڑوں اور خچروں اور اس زمانے کی دیگر سواریوں کا ذکر کیا گیا ہے وہاں آخر میں ایک لفظ فرمایا گیا ہے:

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ — اور اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا وہ چیزیں جن کو تم نہیں جانتے۔

(النحل - ۸)

مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم فرماتے ہیں: "اس میں وہ تمام سواریاں بھی آگئیں جو قیامت تک بنتی رہیں گی"[1]

محترم مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ "اس میں وہ تمام نوایجاد سواری گاڑیاں بھی داخل ہیں جن کا زمانہ قدیم میں نہ وجود تھا نہ کوئی تصور مثلاً ریل، موٹر، ہوائی جہاز جو اب ایجاد ہو چکے ہیں اور وہ تمام چیزیں بھی اس میں داخل ہیں جو آئندہ زمانہ میں ایجاد ہوں گی کیونکہ تخلیق ان سب چیزوں کی درحقیقت خالق مطلق ہی کا کام ہے۔ سائنس قدیم وجدید کا اس میں صرف اتنا ہی کام ہے کہ قدرت کی پیدا کی ہوئی دھاتوں میں قدرت ہی کی دی ہوئی عقل و فہم کے ذریعہ جوڑ توڑ کر کے ان کے مختلف کل پرزے بنائے اور پھر اس میں قدرت الٰہیہ کی بخشی ہوئی ہوا، پانی آگ وغیرہ سے برقی رو پیدا کرے یا قدرت ہی کے دئے ہوئے خزانوں میں سے پٹرول نکال کر ان سواریوں میں استعمال کرتے"[2] مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ استاذ الکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ "قرآن کریم میں ریل کا ذکر موجود ہے اور اسی آیت سے استدلال فرمایا، اس وقت تک موٹریں علم نہ ہوئی تھیں اور ہوائی جہاز ایجاد نہ ہوئے تھے اس لئے ریل کے ذکر پر اکتفا فرمایا"[3] یخلق صیغۂ استقبال سے جو بات مولانا مرحوم نے ثابت کی ہے موجودہ زمانے کے عربی مصنف علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی نے بھی لکھی ہے[4]

---

[1] فوائد تفسیریہ بر ترجمہ شیخ الہند ص۳۴۷

[2] معارف القرآن، سورۃ النحل (ماہنامہ البلاغ رجب ۱۳۸۸ھ) [3] ایضاً

[4] الریاض الناضرۃ والحدائق الزاہرۃ ص۱۳۱

فلسفۂ قدیم اسلام سے بہت دور

اور

سائنسِ جدید اسلام سے بہت قریب ہے

فلسفہ قدیم یا جدید سے اسلام کا کیا رشتہ ہے یہ بات سمجھنے کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ فلسفۂ قدیم جو یونانی فلسفہ کہلاتا ہے اس کا تعلق اکثر و بیشتر انسانی سوچ و فکر، ظن و تخمین سے تھا چنانچہ ہر زمانے میں اس کے اندر تبدیلیاں آتی رہتی تھیں اور آئے دن پرانے نظریے غلط ثابت ہوتے تھے اور نئے نظریات ان کی جگہ لیتے رہتے تھے، اس کے برخلاف فلسفۂ جدید یعنی سائنس کا زیادہ تر تعلق تجربے (EXPERIENCE) سے ہے چنانچہ جدید سائنس کے تحت جو علوم آتے ہیں ان کو علم ظاہر (SCIENCE OF PHENOMENA) کہا جاتا ہے، جس کا اثر یہ ہے کہ سائنسداں کی نگاہ میں بحیثیت ایک سائنسداں کے صرف مندرجہ ذیل چیزیں معنویت اور وقعت رکھتی ہیں:

۱۔ جس چیز کا مشاہدہ کیا جا سکے اور جسے ناپا جا سکے۔

۲۔ وہ طریقۂ کار جس کی مدد سے مشاہدے اور پیمائش کا کام تکمیل پاتا ہے۔

۳۔ مشاہدے اور پیمائش کے ذریعہ ہونے والے حقائق کی از سر نو

تشکیل جو ریاضی کی مدد سے سرانجام پاتی ہے۔[1]

اور جس چیز کا تعلق مشاہدات سے ہو گا ظاہر ہے کہ اس سے حقیقت کا پتہ چلے گا اور اس میں تبدیلی کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، اس سے انکار نہیں کہ سائنس کے نظریات میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں لیکن یہ تبدیلیاں ہمیشہ انھیں چیزوں میں ہوتی ہیں جن کی بنیاد فلسفہ قدیم کی طرح ظن و تخمین پر ہوتی ہے اور ان پر ابھی تجربات و مشاہدات کی مہر نہیں لگی ہوتی ہے۔ اور ایسے نظریات عموماً خام اور ناقص ہی ہوتے ہیں خود اہلِ سائنس ان کو طے شدہ چیز کا مقام نہیں دیتے جس چیز کا کشف ہو گیا اس میں تبدیلی کا امکان نہیں۔ چنانچہ جو بھی نظریہ (تھیوری) کوئی سائنسداں پیش کرتا ہے اس کو اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک کہ وہ اس کو ثابت نہ کر دکھلائے اور ثبوت کا مفہوم سائنسدانوں کے یہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں کہ کسی چیز کو وہ مشاہدہ یا پیمائش یا حواس خمسہ سے جان سکیں اور یہ یاد رہے کہ کسی ایسی چیز کے اسلام ہرگز خلاف نہیں جائیگا جو مشاہدہ ہو بلکہ اسلامی نصوص کی ان مشاہدات سے مزید تائید ہی ہو گی

چنانچہ فخر المحدثین علامہ سید انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے فرمایا تھا کہ

"فلسفہ قدیم اسلام سے بہت دور اور سائنس یعنی فلسفہ جدید اسلام سے بہت قریب ہے۔" اور فرمایا کہ "سائنس کے بہت سے انکشافات کو اسلام

---

[1] دیکھئے ژاک ماری تین (JAQUES MARITAIN) کا مضمون خدا اور سائنس مع تشریحی تلخیص از جناب محمد حسن عسکری۔ البلاغ کراچی شوال ۱۳۸۸ھ

کے لئے بطور تائید استعمال کیا جا سکتا ہے، بالخصوص کتاب وسنت میں احوال آخرت کے سلسلہ میں جو بعض ایسی خبریں وارد ہیں جن کے بارے میں مادہ پرستوں کو اپنے محدود مشاہدات کی بنا پر اب تک خلجان ہو سکتا تھا موجودہ ترقی پذیر سائنس ان میں سے ہر ایک کی تصدیق اور امکان کے لئے واضح نشان پیش کرتی جارہی ہے حتیٰ کہ غیر شعوری طور پر مادہ پرست دنیا میں آج لفظ امکان کوتاہ مشاہدہ کی بجائے وسعت قدرت کے مرادف بن چکا ہے، دھو المراد[1]

سائنسی تحقیقات میں سے کوئی ایک بھی آجتک اسلام کیخلاف نہیں گئی۔

اسلام اور سائنس کی ہم آہنگی کا یہ عالم ہے کہ سائنس کی جو باتیں پوری طرح ثابت ہو چکی ہیں اور جن کے متعلق مشاہدے کے بعد اہل سائنس متفقہ طور پر فیصلہ کر چکے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک اسلام کے خلاف نہیں نکلی، البتہ بعض لوگ ایک چیز کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں اور وہ ہے آسمانوں کے وجود سے انکار،[2] لیکن حقیقت یہ ہے کہ سائنس کا یہ فیصلہ نہیں کہ آسمانوں کا وجود نہیں اور نہ وہ فیصلہ کر سکتی ہے اس

---

[1] دیکھئے مضمون سائنس جدید اور اسلام، از مولانا جمیل الرحمٰن سیوہاروی - ماہنامہ دار العلوم جنوری ۱۹۵۶ء - نیز نطق انور ص ۶ و ص ۷ مؤلفہ محترم مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری

[2] اور آگے آپ پڑھیں گے کہ حکمائے یونان اور بطلیموسیوں کے مصطلح افلاک کا اقرار و اثبات بھی ہمارے لئے ضروری نہیں۔

لئے کہ جو چیز اس کے مشاہدے میں آگئی اس کا تو اقرار کر سکتی ہے لیکن جو چیز مشاہدے میں نہیں آئی یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا وجود ہی نہیں۔ ہاں اگر فرض کیجئے اسلام نے یہ کہا ہوتا کہ زمین سے اتنی میل کی دوری پر آسمان ہے اور پھر اتنی بلندی پر جاکر دیکھنے پر کچھ نہ ملتا تو کہا جا سکتا تھا کہ اسلام کی بات غلط ثابت ہو گئی لیکن اسلام نے یہ نہیں کہا۔ قرآن میں صرف اتنا ہے کہ تمہارے اوپر سات آسمان بنائے۔ کتنے اوپر بنائے؟ کتنا فاصلہ زمین اور آسمان میں ہے یہ کچھ نہیں کہا۔

اور سائنس داں بیچارے آسمانوں کا انکار کر بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ انھیں تمام خلا (SPACE) نہیں تمام کہکشائیں (MILKY WAYS) نہیں اپنی اسی کہکشاں کا پورا حصہ نہیں اس کے تمام نظامہائے شمسی نہیں پھر اپنے نظام شمسی کے بھی تمام سیاروں تک نہیں بلکہ ان میں سے کسی ایک سیارے تک بھی بمشکل پہنچا جا سکا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہماری کہکشاں (MILKY WAYS) ہی کا ہمارے نظام شمسی (SUN'S FAMILY) سے باہر کا سب سے قریب ترین ستارہ زمین سے چار نوری سال (LIGHT YEARS) کی مسافت پر ہے اور نوری سال کا مطلب یہ ہے کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ ہے اس رفتار سے روشنی ایک سال میں جو فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوری سال کہتے ہیں۔

اب آپ اندازہ لگائیے کہ اس لامحدود و بے اندازہ خلا ہی میں جو انسان اس قدر حیران و سرگرداں ہے کیا اس کی مجال ہے کہ آسمانوں کے وجود سے

انکار کر دئے[1]۔ جبکہ زمین اور آسمان کے درمیان ہی کی کائنات کے بارے میں خود اس کا کہنا یہ ہے کہ ہماری کہکشاں کے مرکز سے ہمارے سورج کی مسافت تیس ہزار نوری سال ہے۔ اور پھر اگر کوئی سرپھرا اسی پر اڑ جائے کہ آسمانوں کا وجود نہیں ہے تو اسے بکنے دیجئے جس طرح فیثا غورسی نظریہ کے حامی ہمیشہ آفتاب ساکن ہے ساکن۔ ہے رٹتے رہے اور صدیوں یورپ کے معقولی بھی اسی سبق کو دہراتے رہے۔

اور بالآخر یہ غلط ثابت ہوا اور مانا گیا کہ سورج بھی اپنے محور پر گھومتا ہے اور نہ صرف اپنے محور پر گھومتا ہے بلکہ اپنے پورے نظام شمسی (SUN'S FAMILY) کو لے کر ثریا کے کسی ستارے کے گرد گھومتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ امکان بھی تسلیم کیا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ ستارہ بھی اس پورے سیاراتی نظام کو لے کر کسی اور ستارے کے گرد حرکت کرتا ہو۔ تو کیا بعید ہے کہ ایک دن اسی طرح یورپ کی رصدگاہوں سے یہ آواز بھی گونج اٹھے کہ آسمان موجود ہے۔ یہ تمام گفتگو محض فرض کرتے ہوئے ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ سائنس نے آسمان کے وجود سے انکار کیا ہی نہیں ہے۔

---

[1] کتاب "نطق انور" صـ۵۰ میں محترم مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مدظلہٗ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں: "حضرت کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ جدید سائنس کے نظریات سے اسلام کا نظریہ در بارۂ افلاک مخالف نہیں ہے!"

اور سوچئے تو سہی "دین فطرت" یعنی اسلام اور "مطالعہ فطرت" یعنی سائنس میں ٹکراؤ ہو بھی کیسے سکتا ہے "خدا کے قول" یعنی قرآن کریم اور "خدا کے فعل" یعنی نظام کائنات میں مخالفت کی کوئی وجہ نہیں اگر ایک انجنیر کسی بڑی مشین کا نقشہ بنائے اور پھر اسی نقشہ کے مطابق خود کھڑا ہو کر اپنی نگرانی میں پوری ذمہ داری کے ساتھ اسے تیار کرلے اور مکمل ہونے کے بعد اس کے طریقۂ استعمال کا ہدایت نامہ (DIRECTION OF USE) لکھ کر دے تو آپ ذرا سوچ کر بتائیے کہ اس مشین میں اور انجنیر کی ہدایات میں کوئی ٹکراؤ ہو سکتا ہے؟ نہیں ہو سکتا نا؟ میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے اور ضرور ممکن ہے کہ ایک انسان جس کی فطرت میں بھول چوک رکھی گئی ہے کوئی چیز اس کے درج کرنے سے رہ جائے کسی چیز کے بارے میں کچھ کا کچھ لکھ جائے لیکن وہ دانا و بینا زندہ اور جاگتا ہوا خدا جس کو ایک سکنڈ کے لئے کبھی نیند یا اونگھ یا سستی نہیں چھوتی اور جو کروڑہا کروڑ سال سے اس کائنات کے نظام کو حیرت انگیز اور حیران کن مستعدی سے چلا رہا ہے اور جس کے اشاروں پر ستاروں کا یہ ہجوم انتہائی سرعت و تیزی کے باوجود اتنے انتظام کے ساتھ چل رہا ہے کہ کبھی ایک انچ تو کیا ایک بال برابر بھی اس میں فرق نہیں آیا اس خدا کے قول و فعل میں ٹکراؤ کون صحتمند دماغ قبول کر سکتا ہے؟

علامہ سید محمود شکری آلوسی (صاحب تفسیر روح المعانی کے پوتے) فرماتے ہیں کہ "میں نے جدید سائنس کے بہت سے قواعد و نظریات کو دیکھا ہے کہ وہ کتاب و سنت سے ٹکراتے نہیں۔ لیکن اگر (بالفرض) وہ قرآن و حدیث کی کسی

سے کتاب وسنت کی تصریحات کی تاویل نہیں کی جائے گی، بلکہ ہم یہی کہیں گے کہ جو نظریہ "صریح" قرآن وحدیث کے خلاف ہے وہ ابھی خام ہے کیونکہ عقلِ سلیم اور نقلِ صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا بلکہ ایک دوسرے کی تائید ہی کرتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ روحِ تنقید وتحقیق کے مقابلہ میں دنیا کے مذاہب میں سے اگر کوئی مذہب ٹھہر سکتا ہے بلکہ اس سے زیادہ صحیح الفاظ میں اگر کوئی مذہب اپنے ماننے والوں کو لے کر آگے بڑھ سکتا ہے اور انتہائی ترقی اور روشن خیالی کے دور میں پوری انسانیت کا مذہب بن سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف مذہبِ اسلام ہے۔ یہ وہ سونا ہے کہ جتنی بار بھی اسے پرکھا گیا کھرے کا کھرا ہی رہا بلکہ اس کا کھرا پن پرکھنے پر مزید نکھر کر سامنے آیا۔ اور اگر اس عالم کے اندر مستقبل میں کوئی ایسا وقت آیا کہ پوری دنیا ایک ہی مذہب قبول کو لے تو بلا شبہ وہ مذہب اسلام ہوگا۔ جارج برناڈ شا جو اپنے زمانے کے غیر مسلم مصنفین کی فہرست میں سب سے اوّل جگہ پانے کا مستحق ہے اور جس کے قلم نے کوئی میدان ایسا نہیں چھوڑا ہے جہاں اس نے جولانی نہ دکھائی ہو اور جس کے حملوں سے شاید ہی کوئی مذہب بچا ہو۔ جس کے زورِ قلم کا یہ عالم ہے کہ جو لکھا دنیا میں پھیل گیا اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں تمام مذاہب کے علما کی ایک مجلس منعقد کی ہے۔ جس میں ایک دوسرے کے مذہب کا خوب مذاق اڑایا گیا ہے لیکن بالآخر بہت سے بحث مباحثوں کے بعد برناڈ شا نے جو نتیجہ مرتب کیا ہے وہ یہ ہے کہ۔ " سو برس کے اندر اندر دنیا اور بالخصوص انگلستان کو کوئی ایسا مذہب اختیار کرنا پڑے گا جو یا تو اسلام ہوگا یا اسلام سے

بہت کچھ ملتا جلتا ہوگا۔[1]

اسلام سے زیادہ صحیح مذہب کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اہل اسلام کے علاوہ کسی اور کے سینہ میں اتنا بڑا دل نہیں ہے جو زندگی کے ہر میدان اور ترقی کے ہر دور میں اپنے مذہب کو ببانگ دُہل بے جھجک پیش کر دے۔

ہے کوئی منصف مزاج، صداقت کا متلاشی جو میری یہ بات سُن رہا ہو؟

مذاہبِ عالم اور سائنس

یہ خصوصیت سوائے اسلام کے اور کسی مذہب کو حاصل نہیں کہ نئے سے نئے زمانے میں بھی اس کی کسی بات میں شک و شبہ تو کیا ہوتا مزیدِ تائید و تقویت ہی ہوتی ہے، محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم نے اپنی علیگڈھ کی معرکتہ الارا تقریر میں کہا تھا کہ

"کہا گیا ہے کہ سائنس نے مذہب کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور گویا سائنس ایک ایسا مقصود ہے کہ مذہب اس کا وسیلہ تک بھی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا چہ جائیکہ اس کا مقصود قرار پائے۔" بہت ممکن ہے کہ دنیا کے قدیم مذاہب کے لئے سائنس نے کوئی

---

[1] ماخوذ از "اسلام کی صداقت غیر مسلموں کی نظر میں" ص ۱۵۲ و ص ۱۶۳ مؤلفہ مولانا تھانویؒ

ایسا ہی تخریبی اقدام کیا ہو مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دنیا کے جس مذہب کے ایک ایک جزو کی ساتھ سائنس ساتھ رہ کر چل سکتی ہے وہ صرف مذہبِ فطرت یعنی مذہبِ اسلام ہے[1]"

اس کے برخلاف آپ دنیا کے دوسرے مذاہب پر نظر ڈالیں گے تو انہیں سائنس اور اس جیسے تمام عقلی علوم سے قدم قدم پر ٹکراتا ہوا پائیں گے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یورپ و امریکہ میں جو اس زمانہ میں تیزی کے ساتھ اسلامی تعلیمات و نظریات کی قبولیت بڑھتی جارہی ہے اور وہاں کے لوگ اسلام بھی قبول کر رہے ہیں اس کی بڑی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس دین کو اور سب ادیانِ موجودہ میں سے زیادہ سے زیادہ قریبِ عقل و مشاہدہ سمجھ رہے ہیں[2] صرف مثال کے طور پر دنیا کے ایک ایسے مذہب مسیحیت کو لے لیجیے، جس کے ماننے والے دنیا میں بہت بڑی تعداد میں ہیں کہ کس قدر شدید جنگ علوم و عقلیت کے علمبرداروں اور مذہبِ مسیحی (درحقیقت سینٹ پال کے مذہب) کے نمائندوں کے درمیان ہوئی ہے، محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دام مجدھم مذہب و عقلیت کی کشمکش کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"... اتفاق سے یہ وہ زمانہ تھا کہ یورپ میں عقلیت کا کوہ آتش فشاں

---

[1] تقریر علی گڑھ موسوم بہ "سائنس اور اسلام" ص۱۴ ، ۷ر اگست ۱۹۳۶ء

[2] "نطق انور" ص۶۲ ملفوظات علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، مرتبہ محترم مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مدظلہ۔

پھٹ چکا تھا، علماء طبعیات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے انھوں نے ان بے اصل نظریات کی تردید کی جو جغرافیہ اور تاریخ اور طبعیات سے متعلق ان مذہبی کتابوں میں پائے جاتے تھے اور بڑی جسارت اور آزادی کے ساتھ ان کی علمی تنقید کی اور بے سمجھے ان پر ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا اسی کے ساتھ انھوں نے اپنے علمی اکتشافات اور تجربوں کا بھی اعلان کر دیا، اب کیا تھا مذہبی حلقوں میں قیامت برپا ہو گئی، ارباب کلیسا نے (جو اقتدار اور طاقت کے مالک تھے) ان کی تکفیر کی اور دینِ مسیحی کے لئے ان کے خون بہانے اور ان کے مال و متاع ضبط کر لینے کی اجازت دی، احتساب کی عدالتیں قائم ہوئیں جو بقول پوپ کے "ان ملاحدہ اور مرتدین کو سزا دیں جو شہروں، گھروں، تہہ خانوں، جنگلوں، غاروں اور کھیتوں میں پھیلے ہوئے ہیں"، ان عدالتوں نے اپنا فریضہ پوری سرگرمی اور مستعدی سے انجام دیا اس کے جاسوس براعظم کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے اور اس بارے میں محکمۂ احتساب نے تفتیش اور تجسس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، ایک عیسائی عالم کہتا ہے کہ "ناممکن ہے کہ کوئی شخص عیسائی بھی ہو اور وہ بستر پر جان دے"، اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس محکمہ نے جن لوگوں کو سزا دی ان کی تعداد تین لاکھ سے کم نہیں جن میں بتیس ۳۲ ہزار کو زندہ جلایا گیا، انھیں زندہ جلائے جانے والوں میں ہیئت و طبعیات کا مشہور عالم برونو (BRUNO) بھی

ہے جس کا سب سے بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا، محکمۂ احتساب کے حکام نے اسے اس سفارش کے ساتھ دنیوی حکام کے سپرد کیا کہ اسے نہایت نرمی سے سزا دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پائے، اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کو آگ میں زندہ جلا دیا جائے، اسی طرح مشہور طبیعی عالم گلیلیو (GALILIO) کو اس بنا پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل تھا۔[1]

تجسس انسان کی فطرت ہے

تجسس اور غور و خوض اور اشیاء کے بھیدوں کا معلوم کرنا انسانی فطرت ہے اس لئے وہ ضرور کائنات کی چیزوں کے پوشیدہ رازوں سے پردے اٹھانے کے لئے جد و جہد کرتا رہے گا اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی طاقت فطرت سے جنگ کرتی ہے تو خواہ کچھ عرصہ فطرت دبی رہے لیکن بہت نیچے دب کر جب یہ جذبۂ فطری پورے زور سے ابھرتا ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کو دبا نہیں سکتی، یہ بات انسانی فطرت کے خلاف ہے کہ جبر و تشدد کے ذریعہ اس کے میلانات و رجحانات کے خلاف اس کو چلایا جائے، دراصل بقولِ محترم مولانا علی میاں مدظلہ "جو چیز سرکش مادیت میں اعتدال پیدا کر کے اس کو ایک معتدل زندگی

---

[1] "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" ص ۲۵۴ ص ۲۵۵

میں تبدیل کرسکتی ہے وہ صرف ایسا روحانی دینی واخلاقی حکیمانہ نظام ہے جو انسان کی فطرتِ سلیم کے عین مطابق ہو اور اس بات کے درپے نہ ہو کہ وہ فطرت کو بالکل تبدیل کردے، اس کا مقصد اس کا ازالہ (مٹا دینا) نہ ہو بلکہ امالہ (پھیر دینا) ہو، وہ اس کا رخ شر سے خیر کی طرف تبدیل کردے، اسلام کا طرزِ عمل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارک یہی ہے۔[1]"

یہاں جو تماشہ آپ نے دیکھا وہ یہی کلیسا کی خلافِ فطرت جنگ کا ردِ عمل تھا جو ماہرینِ ہیئت وطبیعیات کی طرف سے ظاہر ہوا اور آخر کار اس نے اپنے حریف کو ہرا کے ہی دم لیا۔ اور ہر وہ دین و مذہب جو انسان کی فطرت پر قدغن لگائے انسان اس دین و مذہب کے خلاف بغاوت کردیتا ہے — کہاں ہیں صداقت کی تلاش میں سرگرداں پھرنے والے! اگر وہ دنیا کے دیگر مذاہب کی خاک چھان چکے ہوں تو اب ذرا اسلام کو بھی دیکھ لیں۔ میں نہیں کہتا کہ قبول کرلیں مگر عصبیت سے پاک ہوکر ایک بار صاف دل سے قریب ہوکر اسے دیکھ تو ضرور ہی لیں۔

اسلامی نظریات اور فلسفی مفروضات میں فرق سمجھئے

موجودہ زمانے میں سائنسی انکشافات سے ہمارے بہت سے اچھے خاصے پڑھے لکھے اور دینیات وعلمِ دین سے خاصی واقفیت رکھنے والوں تک کو جو ایک بڑی پریشانی پیش آرہی ہے

---

[1] "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" صفحہ ۲۵۴ صفحہ ۲۵۵

اور آتی رہتی ہے یہ ہے کہ ہم لوگ اولاً خود یہ غلطی کئے ہوئے ہوتے ہیں کہ قدیم یونانی فلسفہ کو اسلامی نظریہ سمجھے رہتے ہیں چنانچہ جب اس فلسفہ کی بوسیدہ عمارت پر فلسفۂ جدید کے ہتھوڑے پڑتے ہیں اور اس کو جدید انکشافات ڈائنامیٹ کرتے ہیں تو ہم لوگ اپنے بھولے پن سے ان تمام چوٹوں کو اسلام پر لگتی ہوئی دیکھتے ہیں اور چلاتے ہیں کہ سائنس اور اسلام کی جنگ ہو رہی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ ہم نے پوری طرح سائنس کو سمجھا ہوتا ہے اور نہ اسلام کو۔

قدیم زمانے میں ہوا یہ ہے کہ جب یونانی فلسفہ کا زور ہوا تو عامی و عالم ہر ایک کے دل و دماغ اس سے متاثر اور مرعوب ہو گئے اور اسی کو سو فیصد حق سمجھا جانے لگا ظاہر ہے کہ ایسی فضا میں قرآن پاک کی جو تفسیر لکھی جائے گی وہ وقت کے اثرات سے بالکل پاک نہیں رہ سکتی اگرچہ اس دور کی بھی بہت سی تفسیریں بالکل صاف ذہن کے ساتھ لکھی گئی ہیں مگر اس مخصوص دور میں کچھ تفسیروں کے اندر احتیاط باقی نہ رہ سکی اور ان میں کچھ نہ کچھ فلسفی نظریات شامل ہو گئے اور نہ صرف درج کئے گئے بلکہ قرآن اور فلسفہ میں مطابقت ثابت کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔ اور آہستہ آہستہ وہ نظریات اسلامی نظریات سمجھے جانے لگے۔

زمین کی گردش یا عدم گردش

چنانچہ مثال کے طور پر یہ مسئلہ کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے یا سورج زمین کے گرد گھومتا ہے خالص فلسفہ کا تھا لیکن اس کو اسلامی رنگ دیا گیا اور اس زمانے کے عام فلاسفہ کے خیال کے مطابق زمین کو ساکن مانا گیا لیکن جب یہ تحقیق بدلی اور بعض قدیم فلاسفہ کی طرح جدید فلاسفہ بھی زمین کو گردش

کرتا ہو کہنے لگے تو اس کا قدرتی اثر یہ تھا کہ جو لوگ زمین کے ساکن ہونے کو اسلامی نظریہ کہتے تھے ان کے نزدیک یہ جدید قول اسلام کے خلاف ہوا لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ کس کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ اس بارے میں خاموش ہیں البتہ قرآن کریم میں یہ ذکر ضرور ہے کہ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ (اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے کہ وہ تمہیں لے کر ڈگمگانے نہ لگے) ظاہر ہے کہ یہ پہاڑوں کا رکھنا ڈگمگانے اور کپکپانے سے حفاظت کے لئے تھا نہ کہ حرکت دَوری کو روکنے کے لئے۔ محترم مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"معنی آیت کے یہ ہیں کہ زمین کے کرہ کو حق تعالیٰ نے بہت سی حکمتوں کے ماتحت ٹھوس اور متوازن اجزاء سے نہیں بنایا اس لئے وہ کسی جانب سے بھاری کسی جانب سے ہلکی واقع ہوئی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ زمین کو عام فلاسفروں کی طرح ساکن مانا جائے یا کچھ قدیم و جدید فلاسفروں کی طرح حرکت مستدیرہ کے ساتھ متحرک قرار دیا جائے دونوں حال میں زمین کے اندر ایک اضطرابی حرکت ہوتی ہے جس کو اردو میں کانپنے یا ڈگمگانے سے تعبیر کیا جاتا ہے اس اضطرابی حرکت کو روکنے کے اور اجزاء زمین کو متوازن کرنے کیلئے حق تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کا وزن رکھ دیا تاکہ وہ اضطرابی حرکت نہ کر سکے، باقی رہا مسئلہ حرکت مستدیرہ کا جیسے تمام سیارات کرتے ہیں اور قدیم فلاسفہ میں سے فیثاغورس کی بھی تحقیق ہے اور جدید فلاسفہ سب اس پر متفق ہیں اور نئے تجربات نے اس کو اور بھی زیادہ

واضح کر دیا ہے تو قرآن کریم میں کہیں اس کا اثبات ہے نہ اس کی نفی بلکہ یہ اضطرابی حرکت جس کو پہاڑوں کے ذریعہ بند کیا گیا ہے اس حرکت مستدیرہ کے لئے اور زیادہ معین ہوگی جو سیارات کی طرح زمین کے لئے ثابت کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔"[1]

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"خدا تعالیٰ نے زمین پر بھاری پہاڑ رکھ دیئے تاکہ زمین اپنی اضطرابی حرکت سے تم کو لے کر نہ بیٹھ جائے، روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ابتدائے آفرینش میں مضطربانہ طور پر ہلتی اور کانپتی تھی خدا تعالیٰ نے اس میں پہاڑ پیدا کئے جن سے ان کی کپکپی بند ہوگئی، آج کل جدید سائنس نے بھی اقرار کیا ہے کہ پہاڑوں کا وجود

---

[1] البلاغ کراچی۔ شعبان ۱۳۸۸ھ

[2] ۱۹۶۸ء کے اخیر میں ملک کے بہت سے اخبارات میں جن میں سے مدراس کا مشہور انگریزی اخبار (HINDU) بھی ہے بڑی جلی سرخیوں سے ایک خبر شائع ہوئی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"شہر مدراس میں ہوائی اڈے کے قریب ایک پہاڑ پلاوارم نامی ہے قریب میں کوئی اور پہاڑ نہیں ہے اس لئے سڑکوں اور مکانات کی تعمیری ضرورتوں کے لئے اسی میں سے توڑ توڑ کر پتھر لیا جاتا رہا اور تقریباً ایک چوتھائی پہاڑ ختم کر دیا گیا۔ ایک رات قریب کے رہنے والوں نے مسلسل کئی شدید دھماکے سُنے اور زمین میں حرکت ہوئی، دن رات میں کئی بار یہ سخت پریشان کن حالت پیش آئی لوگ گھروں کو خالی کر کر کے بھاگنے لگے اور یہ سلسلہ برابر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بڑی حد تک زلزلوں کی کثرت سے مانع ہے، بہرحال زمین کی حرکت وسکون کا مسئلہ جو حکماء میں مختلف فیہ رہا ہے اس سے آیت کا نفیاً یا اثباتاً کچھ تعلق نہیں ہے کیونکہ پہاڑوں کے ذریعہ جس حرکت کو بند کیا ہے وہ یہ دائمی حرکت نہیں جس میں اختلاف ہو رہا ہے[1]"

تقریباً یہی بات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہی ہے، فرماتے ہیں:-

"حق یہ ہے کہ قرآن میں اس حرکتِ ارضی سے جو حکماء میں مختلف فیہ ہے کہیں تعرض نہیں ہے نہ نفیاً نہ اثباتاً، اس میں دوسرے دلائل کی ضرورت ہے اور "تمید" میں جس حرکت کی نفی ہے وہ حرکتِ عارضی ہے نہ وہ جس میں کلام ہے[2]"

جاری تھا اور راز کچھ نہ کھلتا تھا آخر گورنمنٹ نے ماہرین ارضیات (GEOLOGYEST'S) کو بلاکر تحقیق کرائی تب بڑی جدوجہد کے بعد یہ معلوم ہوا کہ پہاڑ کا بہت سا حصہ نکل جانے کی وجہ سے زمین کا توازن (BALANSE) خراب ہو گیا ہے (گویا قدرتی طور پر توازن درست کرنے کی غرض سے کچھ تبدیلی و ترمیم کی گئی جس کے نتیجہ میں دھماکے ہوئے اور اس کو متوازن بنالیا گیا چنانچہ اس کے بعد اب کوئی دھماکہ وغیرہ نہیں ہے) اس کے بعد حکومت کی طرف سے حکم نافذ کر دیا گیا کہ تمام مشینیں وہاں سے ہٹالی جائیں اور وہاں سے کوئی پتھر نہ لیا جائے۔ والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم۔ (قرآنِ حکیم)

[1] فوائد تفسیریہ از مولانا شبیر احمد عثمانی، سورہ نحل آیت ۱۵ (ص ۳۴۵)

[2] بیان القرآن سورہ نحل آیت ۱۵

کسی نظریہ کے مطابق قرآنی الفاظ کی کھینچ تان

ایک بڑی بھاری چوک ہمارے بہت سے قدیم مفسرین سے یہ ہوئی ہے جس کا ہمیں اب بھی نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے اور خدا جانے کب تک اٹھانا پڑے کہ انھوں نے اپنے اپنے زمانے کے چلتے ہوئے نظریات کو اصل قرار دے کر قرآن کو ان کے مطابق بنانے کی کوشش کی اور جہاں کہیں قرآن ان کے نظریات کے سانچہ میں ڈھلتا نظر نہ آیا وہاں بجائے اس کے کہ وہ قرآنی الفاظ کو جوں کا توں رکھ کر اس نظریہ کی اصلاح کرتے ان کی ساری کوشش یہ رہی کہ کسی طرح قرآن مجید کو توڑ مروڑ کر ان نظریات کے مطابق بنالیں۔

یہ تو حال ہے ان مفسرین کا جنھوں نے فلسفہ قدیم اور ان سے پیدا شدہ نظریات کو قرآن سے ملایا تھا لیکن ان سے زیادہ برا حال ہمارے موجودہ زمانے کے ان مفسرین کا ہے جو بجائے فلسفہ قدیم کے مغرب کے جدید افکار و نظریات سے مرعوب ہو کر انھیں کو اصل قرار دیتے ہیں اور اس بیدردی سے قرآنی آیات کو توڑ مروڑ کر اپنے ان نظریات کے مطابق کرتے ہیں کہ قرآن کی زبان اس کے قواعد اور سیاق و سباق تک کو ملحوظ نہیں رکھتے، فلسفہ قدیم کے حامی پھر بھی کچھ نہ کچھ قرآنی آیات کا خیال کر لیتے تھے مگر یہ لوگ تمام حدیں توڑ کر بالکل آزادانہ قرآن کی تحریف بنام تفسیر کرتے ہیں۔

قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے بہت سی ضروری چیزوں میں سے ایک بہت اہم اور مقدم چیز یہ ہے کہ انسان بالکل خالی الذہن ہو کر طلب ہدایت کے لئے

اسے پڑھے اور اپنے دل و دماغ کو پوری طرح اس کے حوالے کر دے اور وہ جس طرف لے جانا چاہے اس طرف چلنے کے لئے تیار رہے۔ اگر اس طرح قرآن کو پڑھا گیا تو انشاء اللہ قرآن کی صحیح ہدایت حاصل ہو گی، اب اس طرح پڑھنے غور کرنے کے دوران اگر کوئی بات مادی لائن کی سمجھ میں آئے اور موجودہ تحقیقات بھی اس کے مطابق ہو جائیں تو اللہ کا شکر ادا کرے اور اگر کوئی بات اپنے زمانے کے علوم عقلیہ سے ٹکراتی ہوئی نظر آئے تو صدق دل سے یہ یقین کرے کہ حق وہی ہے جو قرآن نے کہا ہے اور دنیا والوں کی یہ تحقیق ابھی خام اور ناقص ہے اور جس طرح انسانی علوم نے بارہا کروٹیں بدلی ہیں ضرور ایک نہ ایک دن اس کو بھی بدلنا ہے اور قرآن نے جو کہا ہے اس کے مطابق ہونا ہے۔

ہمیشہ یاد رکھئے کہ قرآن کریم یا تو مادی چیزوں کے بارے میں کچھ کہے گا نہیں کیونکہ وہ اس کا مقصد اصلی نہیں لیکن اگر کوئی بات کہے گا تو وہ مادی تحقیقات کی راہ میں آخری ہدایت اور فیصلہ کن بات ہو گی، کسی صحیح مادی تحقیق کا صریح آیت قرآنی کے خلاف جانا ناممکن امر ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ:

العقل الصحیح والنقل الصریح لا یتعارضان	صحیح عقل اور صریح نقل یعنی صحیح طور پر ثابت شدہ ٹکنالوجی امور کے درمیان اور صاف و صریح حکم شرعی کے درمیان ٹکراؤ نہیں ہو سکتا۔

اسلام اور سائنسی انکشافات کے بارے میں سیدھا اور صحیح راستہ

دنیا کی مادیات، خلاء، اجرام سماویہ، سورج اور ستاروں کی سائنٹفک تحقیقات کے بارے میں ہمارے یہاں بڑی حد تک افراط و تفریط سے کام لیا جاتا ہے بعض ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آج اس سلسلہ میں جس قدر سائنسی تحقیقات ہو رہی ہیں وہ سب اسلام کے خلاف ہیں، اس کے برخلاف کچھ حضرات وہ ہیں جو ان تحقیقات و انکشافات کو عین منشاء قرآنی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں رویے غلط ہیں اور صحیح راہ سے ہٹے ہوئے ہیں نہ تو یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں تمام آیات کونیہ کا اور جہاں جہاں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے ان تمام کا مقصد یہی سائنسی تحقیقات ہیں اور یہ بھی غلط ہے کہ اسلام ان تحقیقات کا مخالف ہے، محترم مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ لکھتے ہیں کہ "سائنس جدید کی ترقیات و تحقیقات کو عین منشاء قرآنی سمجھنا بھی غلط ہے جیسا کہ حال کے بعض تجدد پسند علماء نے لکھا ہے اور قرآن کو اس کا مخالف کہنا بھی غلط ہے جیسا کہ بعض قدامت پسند علماء نے لکھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قرآن ان حقائق کو بیان کرنا چاہتا ہے نہ وہ اس کا موضوع بحث ہیں اور نہ انسان کے لیۓ ان کا حاصل کرنا آسان ہے اور نہ انسانی ضروریات سے ان کا کوئی تعلق ہے، قرآن ان معاملات میں ساکت ہے، اب اگر کچھ لوگ، اس کی کھوج میں لگے ہیں اور وہ تجربات و مشاہدات

سے کوئی چیز معلوم کر لیتے ہیں تو اس کو قرآن کے منافی اور خلاف کہنا بھی صحیح نہیں، چاند کے اوپر انسان کا پہنچنا، رہنا، بسنا اور وہاں کی معدنیات وغیرہ سے نفع اٹھانا وغیرہ یہ سب اسی میں داخل ہیں، ان میں سے کوئی چیز مشاہدہ سے ثابت ہو جائے تو انکار کرنے کی ضرورت نہیں اور جب تک ثابت نہ ہو خواہ مخواہ اس کے تصورات باندھنا بھی درست نہیں۔[1]"

اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان چیزوں میں لگنا، ان کا استعمال کرنا، اور انسانی ضروریات میں ان سے فائدہ اٹھانا سب جائز و مباح ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ ان مادیات سے انسان کے معاشی مسائل کا تعلق ہے یہ بھی ضرورت کی حد تک عین منشاءِ قرآنی ہے اور قرآن اس کی طرف بھی دعوت دیتا ہے جیسا کہ پیچھے لکھا جا چکا ہے۔[2] محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے اس سلسلہ میں کیا خوب کہا ہے فرماتے ہیں:-

"سائنس کی تمام ایجادات در حقیقت اسلام کی معنویتوں کا مادی رخ ہیں اور اس دور میں اسلام کی تفہیم اور اس کے اقرب الی الفہم کرنے کے لئے ہی تکوینی طور پر سائنسی ترقیات کا وجود عمل میں آیا ہے پس جو شخص سائنس کو اسلام کا وسیلہ بنا کر استعمال کریگا وہ اسلام کو قوت پہنچائے گا اور جو اسے مستقلاً مقصود بنا کر عمل میں لائے گا وہ اپنے نفس کو ضعف اور ضرر پہنچا لے گا۔ مگر اسلام کا اس سے کچھ نہیں بگڑ سکتا۔[3]"

---

[1] البلاغ محرم ۱۳۸۸ھ [2] دیکھئے ص ۱۶ [3] "سائنس اور اسلام" ص ۱۰۴

کسی چیز کو اسلام کے خلاف کہنے کیلئے بڑی گہری سمجھ بوجھ کی ضرورت ہے

آج کل ایک بڑی پریشانی یہ پیش آگئی ہے کہ سائنسی ایجادات اور خلائی انکشافات تو آئے دن ایک سے ایک نئے سامنے آتے رہتے ہیں اور ہمارا قدامت پسند اور پست ذہن طبقہ اس کو غلط اور جھوٹ اور خلاف قرآن و حدیث کہنے سے باک نہیں محسوس کرتا، ہر وہ بات جو اس کے تنگ خیال میں نہ آئے اور اس کے چنے جیسے دماغ میں نہ سمائے کھٹ سے اسے قرآن اور اسلام کے خلاف کہہ دیتا ہے گویا اس نادان شخص نے شریعت اپنے دل و دماغ کا نام رکھ چھوڑا ہے کہ جو میرا دل و دماغ قبول نہ کرے خواہ وہ کتنی ہی صحیح و متحقق اور یقینی بات ہو وہ اسلام کے خلاف ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔ کس قدر خطرناک بات ہے کہ ہم شریعت کی حد میں اپنے اوہام و خیالات کے پیمانے سے مقرر کرنے لگیں، اس وبا کے شکار عوام تو خیر ہیں ہی لیکن بڑے دکھ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض علماء بھی اس ناعاقبت اندیشی و تنگ ذہنی سے پاک نہیں رہتے اور اپنے علم و تحقیق کو کام میں لائے بغیر بڑی جلد بازی کے ساتھ غلط فیصلہ کر ڈالتے ہیں، اس معاملہ میں عوام کا جہاں تک تعلق ہے ان سے زیادہ خطرہ نہیں، اصل خطرہ علماء کی طرف سے ان چیزوں میں بے احتیاطی سے ہے حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں اپنی معرکۃ الآراء کتاب تہافت الفلاسفہ کے مقدمہ میں ایک بڑی مفید اور اہم بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

" فلسفہ کے مسائل تین قسم کے ہیں :۔

۱۔ وہ مسائل جو صرف الفاظ واصطلاحات کے لحاظ سے مسائلِ اسلام سے مختلف ہیں مثلاً وہ خدا کو جوہر سے تعبیر کرتے ہیں لیکن جوہر سے ان کی مراد متحیز نہیں بلکہ وہ شئے مراد ہے جو بالذات قائم ہو اور محتاج غیر نہ ہو اس بنا پر خدا کو جوہر کہنا حقیقتاً درست ہے گو شریعت میں یہ الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں۔

۲۔ وہ مسائل جو اصولِ اسلام کے مخالف نہیں مثلاً یہ مسئلہ کہ چاند میں اس وجہ سے گہن لگتا ہے کہ اس کے اور آفتاب کے بیچ میں زمین حائل ہو جاتی ہے اس قسم کے مسائل کا رد کرنا ہمارا فرض نہیں جو لوگ ان مسائل کے انکار و ابطال کو جزوِ اسلام سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں اسلام پر ظلم کرتے ہیں کیونکہ ان مسائل کے اثبات پر ہندسی دلائل قائم ہیں جن کی واقفیت کے بعد ان کی صحت میں کسی قسم کا شک نہیں رہ سکتا اگر کوئی شخص یہ ثابت کرے کہ یہ مسائل اسلام کے خلاف ہیں تو واقفِ فن کو خود اسلام کے متعلق شبہ پیدا ہو گا۔

۳۔ تیسری قسم کے وہ مسائل ہیں جو اسلام کے عقائد مقررہ کے مخالف ہیں مثلاً عالم کا قدم، حشر اجساد کا انکار وغیرہ وغیرہ یہی مسائل ہیں جن سے ہم کو غرض ہے اور جن کا باطل کرنا ہماری کتاب کا موضوع ہے"[1]

امام رحمۃ اللہ علیہ نے جو صورت حال مسائل، فلسفہ کی بیان کی ہے تقریباً

---

[1] الغزالی ص۱۰ از شبلی نعمانی مرحوم، بحوالہ تہافت الفلاسفہ

یہی صورت حال آج سائنس کے مسائل و نظریات کی ہے بلکہ آج کی سائنس تو شاذونادر ہی کہیں خلاف جاتی ہے ورنہ عام طور پر اسلام کے حقائق کی تائید ہی کرتی ہے اب اگر سائنس کی کوئی بات سن کر ہم نے کہہ دیا کہ یہ غلط ہے قرآن کی رو سے اور اسلامی نقطۂ نظر سے ایسا ہونا ممکن نہیں اور پھر وہ بات دو اور دو چار کی طرح ایک دن صاف ہو کر سامنے آگئی تو دنیا کو خود اسلام و قرآن ہی سے بدگمانی پیدا ہو جائے گی لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رہے کہ کسی بھی سائنسی تحقیق و انکشاف کو نہ تو قدامت پسندی کی وجہ سے غلط کہا جائے اور نہ احساس کمتری اور مغرب سے مرعوبیت کی وجہ سے صحیح کہا جائے بلکہ جو کچھ کہا جائے قرآن و حدیث کے گہرے مطالعہ کے بعد کہا جائے اور جس چیز کو بھی غلط یا صحیح کہا جائے محض اس لئے کہ قرآن و شریعت کی نظر میں وہ ایسی ہی ہے۔ اگر ہم نے اس میں احتیاط نہ برتی اور ترازو کے دونوں پلڑوں میں سے کسی ایک کو بھی جھکنے دیا تو یہ اسلام پر بڑا بھاری ظلم اور اس کے ساتھ بڑی سخت دشمنی ہو گی۔

اسلام کی حقانیت پر موجودہ سائنس کی شہادتیں

کتنی عجیب بات ہے کہ نئی نئی ایجادات و انکشافات اور مادی تحقیقات جن سے اسلام کے سمجھنے میں بہت بڑی مدد مل رہی ہے جب سامنے آتی ہیں تو ہمارا ایک بہت بڑا مذہبی طبقہ بجائے اس کے کہ خوش ہو، گردن اونچی کرے، فخر و ناز سے لوگوں کو چیلنج کرے، اپنے مذہب کی صداقت پر استدلال کر کے لوگوں کو اسلام سے قریب کرے۔ ہوتا یہ ہے کہ ہر مادی تحقیق اور خلائی انکشاف پر گردن جھک جاتی ہے، نظریں نیچی ہو جاتی ہیں اور دل غمگین ہو جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ شک و تردد کے اندھیرے غار میں ٹھوکریں کھانے لگتا ہے۔

یہاں سائنس جو آج کل سمجھئے کہ منکرینِ خدا ہی کی خانہ زاد ہے اسلام کی حقانیت پر شہادت دے رہی ہے اور بھولا بھالا نادان مسلمان ہے کہ مارے شرم کے گڑا جاتا ہے چار آدمیوں میں آنے سے گھبراتا ہے کہ کہیں کوئی اس مادی انکشاف کا ذکر نہ چھیڑ دے، ہائے افسوس! زمانے کی رفتار سے بے تعلقی نے اسے کتنی دور پیچھا پھینکا ہے کہ دوست و دشمن میں تمیز کرنے کے قابل بھی نہ رہا۔

اس فرزندِ آدم نے آج تک جن جن چیزوں پر بھی سر دھنا ہے اور "فطرت" کے جتنے بھی راز بے نقاب کئے ہیں ان میں سے ہر ایک نے "دینِ فطرت" یعنی اسلام کی حقانیت ہی کی گواہی دی ہے اور جن باتوں کا ماننا رسم و رواج کے

گرفتاروں اور عقل و خرد کے پجاریوں کے لئے مصیبت بنا ہوا تھا "مطالعۂ فطرت" یعنی سائنس نے ان کی گردن پکڑ کے منوا دیا ہے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اسلام کے دروازے پر لا کر کھڑا کیا ہے کہ لوہٹ دھرمی اور عصبیت کی بیڑیوں سے اگر نکل سکو تو اس امن و اطمینان کے دار السلام میں داخل ہو جاؤ۔

رسول عربی (میرے ماں باپ آپ پر قربان) صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یبقی علی ظھر الارض بیت	تختۂ زمین پر کوئی شہر یا کوئی دیہات
مدر و لا وبر الا ادخلہ اللہ	ایسا نہیں بچے گا جہاں اسلام کی آواز
کلمۃ الاسلام بعز عزیز و	نہ پہونچ جائے خواہ کوئی عزت کے ساتھ
ذل ذلیل (احمد)[1]	مان لے یا ذلیل ہو کر ماننے۔

"اسلام کی آواز پہنچنے" کا مطلب اگرچہ علماء کرام نے وہی بیان کیا ہے جو تبلیغ اسلام کا عام طریقہ رہا ہے لیکن کچھ بعید نہیں کہ دنیا والوں کو ان کی مادی ترقی ہی اس منزل پر لا کھڑا کرے کہ اسلامی اصولوں کو صحیح ماننے بغیر انھیں کوئی چارہ ہی نظر نہ آئے۔

محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب نے ایک جگہ اس کو تفصیل سے لکھا ہے کہ موجودہ مادی تہذیب نے جس طرح پوری دنیا کو آج ایک شہر بلکہ محلہ بنا دیا ہے اور وسائل اطلاع اور آلات خبر رسانی کی کثرت نے پوری دنیا کے خیالات و رجحانات کو ایک دوسرے پر واضح کر دیا ہے اس کا ثمرہ یہی ہو کہ مختلف تہذیبیں اور خصوصیات ختم ہو کر پوری دنیا کسی واحد مشترک

---

[1] رمضان کیا ہے؟ ص ۲۳

تہذیب میں رنگ جائے اور کہا جاسکتا ہے کہ پوری دنیا پہلے صورت پسند بنے اور مادی تحقیقات اور مادہ پرستی کے غلبہ کے بعد آخر تنگ آکر اور غیر معمولی نقصانات اٹھا کر آخر کار انہی صورتوں کے ذریعہ حقیقت آشنا ہو جائے گی۔

—— مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں: "اس لئے یہ کہنا ہرگز غیر طبعی نہیں کہ انجام کار یہ ساری اشتراک یافتہ قومیتیں بیکدم اسلامی اقوام میں مدغم ہو جائیں گی اور کلمۂ واحدہ ان کی شیرازہ بندی کر دے گا۔

فیکون الدین کلہ للہ "۔ ؎

آج مادی تحقیقات نے اسلامی تصریحات اور بیانات کے لئے اس قدر راہیں ہموار کر دی ہیں کہ جو باتیں آج سے چند صدی پہلے تک خلاف عادت، خلاف عقل، ناممکن اور محال تھیں وہی باتیں آج موافق عادت، عین تقاضائے عقل، اور ممکن ہی نہیں بلکہ موجود و مشاہد ہو گئی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا طویل سفر معراج چند سکنڈ میں طے ہو جانا اب تک دنیا والوں کی عقل کسی طرح نہ مانتی تھی لیکن آج کے جیٹ جہازوں اور برق رفتار راکٹوں نے اس کا امکان ثابت کر دیا ہے۔ قصۂ معراج پر ایک اشکال یہ بھی تھا کہ "ایک جسم عنصری زمین سے اس قدر بلند کیسے ہو سکتا ہے لیکن آج جبکہ انسان چاند پر ہو آیا ہے اور مریخ تک راکٹ پہنچ چکا ہے کون اس اشکال کو لے کر اٹھے گا۔

؎ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام" ص ۲۳۶

قرآنِ عظیم کے اس ارشاد کا سمجھنا:

یوم تشھد علیھم السنتھم	جس دن کہ گواہی دیں گی ان کی زبانیں
وایدیھم وارجلھم بما کانو یعملون	اور ان کے ہاتھ اور پاؤں جو کچھ
(سورۂ نور، آیت ۲۴)	وہ کرتے تھے۔

عقل پرستوں کے لئے مصیبت بنا ہوا تھا کہ یہ بے زبان چیزیں کیسے گواہی دیں گی لیکن آج ریکارڈ سسٹم نے اس کو حل کر دیا ہے '' ہاتھ پیر میں جان تو ہے صرف زبان نہیں لیکن ریکارڈ کی پلیٹ اور پٹی میں تو نہ جان نہ زبان''۔

کتنے عقل کے پجاری قرآن کریم کے بیان کردہ ایک شخص کے مردہ جسم کے سو سال تک نہ سڑنے کا حال سنتے تھے تو چکراتے تھے لیکن آج جبکہ بعض ایسی دوائیں موجود ہیں جن کے استعمال سے لاش کو سینکڑوں سال تک سڑنے سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے تو انھیں اپنی حیرت پر خود حیرت ہوتی ہے

عاد و ثمود اور دیگر اقوام کی بستیاں منٹوں سکنڈوں میں ہلاک و برباد ہو جانے کی خبر سن کر چونکنے والا انسان جب ایٹم بم اور ہائیڈروجن بموں کی ہلاکت خیزیاں اور بڑے بڑے شہر آن کی آن میں تہ و بالا ہوتے دیکھتا ہے تو فوراً اس کی عقل تسلیم کر لیتی ہے کہ اگر اس وقت بھی خدا نے کوئی ایسی طاقت پیدا کر دی ہو تو کیا مشکل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر

خطبہ دیتے ہوئے اچانک پکار اٹھتے ہیں۔

یَا سَارِیَۃ الجبل الجبل ساریہ! پہاڑ، پہاڑ (یعنی بچو)

حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نہاوند (فارس) میں اس آواز سے چونکتا ہو جاتے ہیں اور فوراً اپنے لشکر کی حفاظت کر لیتے ہیں[1]۔ رومیوں نے ابو قرصافہ صحابی کے ایک صاحبزادے کو قید کر کے جیل خانے میں بند کر دیا حضرت قرصافہ اپنے شہر عسقلان (شام) کی شہر پناہ (فصیل) پر چڑھ کر ہر نماز کے وقت پکار کر الصلوٰۃ (یعنی نماز کا وقت ہو گیا ہے) کہہ دیتے اور وہ روم کے قید خانے میں اسی آواز پر تمام نمازیں ادا کر لیتے تھے[2]۔ مورخ ان خلاف عقل مگر سچے واقعات کو اپنی ذمہ داری کی وجہ سے ہو بہو نقل کر دیتا ہے لیکن عقل کا گھمنڈ ایک انسان کو اس کے ماننے سے روک دیتا ہے لیکن جب یہ امریکہ میں بیٹھے ہوئے گویئے (SINGER) کی چھینک ریڈیو پر ہندوستان میں سن سکتا ہے تو اس بھولے بھالے انسان کو بس ملتے ہی بنتی ہے یعنی خارج از امکان کوئی بات نظر نہیں آتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز خوف پڑھتے وقت جنت کے انگوروں کے خوشے بالکل اپنے سامنے دیکھے[3] ــــــ اسی طرح

---

[1] حیاۃ الصحابہ ج ۳ صـ ۵۶۸ نقلا عن الاصابہ صـ ۳/۲ ولائل النبوۃ لابی نعیم صـ ۲۱۱۔ منتخب کنز العمال صـ ۳۸۶/۴ [2] البدایۃ والنہایہ صـ ۱۳۱/۱ مجمع الزوائد صـ ۳۹۶/۹ قال الھیثمی رجالہ ثقات

[3] بخاری ومسلم عن ابن عباس۔ مشکوٰۃ صـ ۱۲۹

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ مضمون آیا ہے کہ جنتی جنت میں پہنچکر اپنے اپنے سریرِ مملکت پر جلوہ افروز ہوتے ہوئے آپس میں اس انداز سے دوستانہ اور بے تکلفانہ ماحول میں بات چیت کیا کریں گے کہ ہر ایک دوسرے کو دیکھ بھی رہا ہوگا اور بات چیت بھی سن رہا ہوگا۔ حالانکہ حدیث صحیح کے مطابق ان جنتیوں میں اتنی دوری ہوگی جیسے زمین سے افق میں چمکنے والے کسی ستارے کی[1] ۔۔۔ اسی طرح قرآن عزیز میں جنت والوں کے اپنی جنتوں میں سے جہنم والوں سے گفتگو کرنے اور ایک دوسرے کو دیکھنے اور سوال و جواب کرنے کا ذکر ہے[2] حالانکہ جنت ایک مستقل عالم ہے۔ اور جہنم الگ ایک دوسرا عالم ہے جن کے فاصلوں کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا ۔۔۔ اور بھی اس قسم کے بہت سے واقعات قرآن مجید اور احادیث شریف میں ہیں جنھیں سن کر ایک فلسفی بھیا اکثر جاتا ہے کہ شاہ صاحب! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اتنی دور سے کوئی بات سنی جاسکے اور کسی چیز کا مشاہدہ کیا جاسکے لیکن جب ٹیلی ویژن پر نیویارک میں ناچتی ہوئی رقاصہ کی پلکیں ہندوستان میں بیٹھ کر گن لیتا ہے اور جب چاند کا راہی امریکی خلا باز چاند سے صرف سو کلومیٹر کے فاصلہ سے کرسمس کے دن (CHRISTMAS DAY)

---

[1] بخاری و مسلم۔ مشکوٰۃ ص۴۹۶

[2] سورۃ الاعراف آیت ۴۴-تا-۵۱

مٹھائی کھاتا ہوا[1] ٹیلی ویژن پر نظر آجاتا ہے اور جب وہ چاند میں پہونچکر وہاں کی وادی میں ٹہلتا ہوا اپنا چشم دید منظر دنیا والوں کو سناتا ہے اور یہ شخص اپنی آنکھ سے پھرتے ہوئے دیکھ لیتا ہے جیسے وہ اپنے مکان کے صحن میں پھر رہا ہو اور دنیا میں اس کی آواز اسی طرح بے تکلف سنتا ہے جس طرح ٹی پارٹی میں اپنے ساتھی کی خوش گپیاں سنتا ہے تو شریعت کے بیان کردہ اس قسم کے تمام حقائق پر ایمان لانے کی راہ ایک خالص فلسفی دماغ کے لئے بھی آسان ہو جاتی ہے۔

پلصراط پر چلنے والوں کی برق رفتاری چند دن پہلے اگرچہ انسان کو حیرت انگیز نظر آتی تھی لیکن جب پچیس ہزار میل فی گھنٹہ چلنے والی خلائی سواریوں میں خود سفر کرنے لگتا ہے، اور اسی کائنات میں روشنی کو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل (فی گھنٹہ نہیں، فی منٹ نہیں بلکہ) فی سکنڈ کی رفتار سے چلتے ہوئے دیکھ لیتا ہے تو اسے پلصراط کی تیزی کچھ ناقابل فہم نہیں لگتی۔

قرآنِ کریم کی آیت ہے:

تبارك الذی جعل فی السماء	بہت عالیشان ہے وہ ذات جس نے
بروجا وجعل فیها سراجا وقمرا	آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے
منیرا (الفرقان ۶۱)	اور اس میں ایک چراغ اور نورانی چاند بنایا

---

[1] اپالو۔ ۸ جو ۲۱ دسمبر ۱۹۶۸ء کو ہندوستانی وقت کے مطابق ۶ بجکر ۱ منٹ پر کیپ کینیڈی (امریکہ) سے اڑا اور چھ دن بعد ۹ بجکر ۲۱ منٹ پر اپنی مقررہ جگہ پر واپس آگیا اس میں تین خلاباز تھے جنہوں نے کرسمس کا تہوار چاند کی سطح سے صرف سو کلو میٹر اوپر پرواز کرتے ہوئے منایا۔

اس میں "چراغ" سے مراد تمام مفسرین کے نزدیک سورج ہے اسی لفظ میں ایک دوسری متواتر قراءۃ "سُرُجا" یعنی جمع کے لفظ سے ہے جس سے مراد بہت سے سورج ہوں گے اس کی تاویل اب تک علماء تفسیر یہ کرتے تھے کہ سورج کے ساتھ ستاروں کو ملا کر جمع کا لفظ لایا گیا ہے لیکن آج کی جدید خلائی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ خلا میں اس جیسے بلکہ اس سے بھی بڑے بڑے کروڑوں سورج گردش کر رہے ہیں۔

اعمال کا تلنا ہو گا کسی زمانے میں عجیب بات لیکن آج تو انسان خدا داد عقل و سائنس کی مدد سے ہوا کا وزن کر لیتا ہے حرارت کی پیمائش کر لیتا ہے، قوت کی ناپ تول کر لیتا ہے، آواز کی شدت و ضعف کے پیمانے اس کے پاس موجود ہیں، رفتار کے میٹر اس کی گاڑیوں میں لگے پھرتے ہیں بلکہ سنا گیا ہے کہ جرمنی نے کچھ ایسے آلات بھی ایجاد کر لیے ہیں جن میں اعمال تو اعمال انسانی اخلاق بھی تولے جا سکتے ہیں تو اب اعمال کی ناپ تول کون سی اچنبھے کی بات رہ گئی ہے۔

نبی امین صلاۃ اللہ علیہ وسلام نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ زمین اپنے کلیجے کے چھالوں کو اگل دیگی اور غلامان نبیؐ اس کی شرح بھی سونے کے ستونوں سے کر گئے ہیں[1] آج آئے دن برآمد ہونے والی کانوں اور پٹرول، گیس اور قسم قسم کے تیلوں کے بے پناہ خزانوں نے یہ شب و روز ...

---

[1] دیکھئے مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۲۸۔

کے قصے کر دیئے ہیں۔

اسلامی تاریخ نے ہمیں خبر دی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ اشارے پر درخت جھک جاتے تھے اور اپنی جگہ سے نقل و حرکت کرنے لگتے تھے یا سلام کرتے تھے یا آپ کی طرف والہانہ عقیدت و محبت میں بڑھتے تھے۔ مادی طبیعتیں اس کا یقین نہیں کرتی تھیں لیکن ماہرین نباتات کی سائنسی تحقیقات نے اس کا مشاہدہ کرا دیا ہے کہ پودے دیکھتے سنتے ہیں اور وہ آپس میں بات چیت کرتے ہیں، سوتے جاگتے ہیں دواؤں کا اثر قبول کرتے ہیں، انسانوں کے بعض افعال و حرکات پر شرماتے بھی ہیں حتیٰ کہ عشق و محبت کے جذبات بھی ان میں سرایت کرتے ہیں اور حس و شعور کے وہ تمام درجات جو ایک جاندار میں ہوتے ہیں ان میں بھی اپنی قابلیت کے مطابق موجود ہیں۔"

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا فرمان ہے کہ جنتی جب اولاد کی تمنا کریں گے تو ان کی آن میں حمل، ولادت وغیرہ کے تمام مراحل طے ہو کر جیتا جاگتا بچہ ان کے سامنے موجود ہو جائے گا۔[1] آج ہم اور آپ رات دن دیکھتے ہیں کہ مشین میں انڈا رکھ کر ایک مخصوص مقدار میں گرمی پہنچائی جاتی ہے اور ۲۴ گھنٹہ کی قلیل مدت میں بچہ پیدا کر لیا جاتا ہے جبکہ مرغی ۲۱ دن لگا دیتی ہے۔ کتب حدیث و تاریخ نے ہمیں یقین دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ترمذی، دارمی، عن ابی سعید، مشکوٰۃ ص ۵۰۰

کے بچپن میں آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے فرشتے نے آپ کے قلب مبارک کو دھویا اور اس میں علم و حکمت اور نورِ معرفت بھرا اور پھر سینہ کو بدستور درست کر کے برابر کر دیا، ظاہر پرست لوگوں کو اس کے ماننے میں سخت پس و پیش تھا لیکن موجودہ دور کی ترقی یافتہ سرجری نے اور کامیاب ترین اوپریشنوں نے واضح کر دیا کہ جسم کے نازک سے نازک حصہ کو چاک کیا جا سکتا ہے اندر کے اعضاء تبدیل کئے جا سکتے ہیں بلکہ کسی جانور کے اعضاء انسان میں لگا کر بھی اسی طرح کا اور کبھی اس سے بھی بہتر کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ اب تو رات دن اس طرح کے واقعات دیکھنے اور سننے میں آتے رہتے ہیں

بخاری کی روایت ہے کہ ایک جنتی جنت میں کھیتی کا خواہشمند ہوگا تو تخم ریزی کے ساتھ ہی اس کا اگنا، پھر بڑھنا، لہلہانا اور اس کے بعد کٹ کٹا کر خود بخود او نچے او نچے ڈھیر لگ جانا یہ سب آن کی آن میں ہو جائے گا[1]، آج ہم اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا ہی میں ایسے ایسے قیمتی کھاد دریافت ہو چکے ہیں کہ ان کے ذریعہ کھیتی کی جاتی ہے تو اُگنے اور پھر پکنے کی مدت میں حیرت انگیز کمی واقع ہو جاتی ہے تو جب انسانی ایجادات میں یہ سرعت و تیزی ہے اور اس زمین کے اندر اتنی صلاحیت ہے تو جنت کی زمین سے خدائے قادر و قیوم کیوں ایک آن میں سارے کام نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں جنت کے چشموں کے بارے میں ہے کہ

يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيراً (سورۂ دھر) ان کو وہ (جہاں چاہیں گے) بہا کر لیجائیں گے۔

---

[1] عن ابی ہریرۃ۔ مشکوٰۃ ص ۵۰۰

آج واٹر ورکس کے نظام میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ انسان جہاں چاہتا ہے پائپ لے جاتا ہے اور ربڑ کے پائپوں کے ذریعہ پورے صحن اور باغیچہ میں گھمائے پھرتا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہوائی تخت کا ذکر ہے کہ وہ اپنے اعیان دولت سمیت اس پر بیٹھ جاتے تھے بلکہ ضروری سامان بھی ساتھ لے لیتے تھے اور ہوا اس تخت کو اڑا کر لے جاتی تھی اور شام سے یمن اور یمن سے شام کی ایک ماہ کی مسافت[1] ایک صبح اور ایک شام میں طے ہو جاتی تھی۔ اس بات پر پرانے زمانے میں اگر کوئی ظاہر پرست حیرت کرتا تو خیر ایک بات بھی تھی لیکن بقول مولانا شبیر احمد عثمانی "تعجب ہے آج عجیب و غریب ہوائی جہازوں کے زمانے میں بھی بہت سے زائغین اس قسم کے واقعات کا انکار کرتے ہیں، کیا یورپ جو کام اسٹیم اور الیکٹرک سے کر سکتا ہے خدا تعالیٰ ایک پیغمبر کی خاطر اپنی قدرت سے نہیں کر سکتا[2]؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے۔

لا تقوم الساعۃ حتی یتقارب	قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی
الزمان فتکون السنۃ کالشھر	جب تک کہ زمانہ اتنا سمٹ نہ جائے کہ

---

[1] اور مسافت بھی وہ جو ایک شہسوار مسلسل شب و روز چل کر ایک ماہ میں طے کرے قصص القرآن صفحہ ۱۰۶/۲ از مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی۔

[2] فوائد تفسیریہ، مولانا شبیر احمد عثمانی صفحہ ۴۲۵ سورۃ الانبیاء آیت ۸۱۔

والشھر کالجمعۃ والجمعۃ کالیوم ویکون الیوم کالساعۃ وتکون الساعۃ کالضرمۃ بالنار (رواہ الترمذی عن انسؓ[1])	ایک سال ایک مہینے کے برابر اور مہینہ ہفتے کے برابر اور ہفتہ دن کے برابر اور دن ایک گھنٹے کے برابر اور گھنٹہ آگ میں ایک بار پھونک مارنے کے برابر ہو جائے

آج سائنس کی یہ تحقیق ہے کہ زمین اور سورج دونوں دھیرے دھیرے ایک دوسرے کے قریب آرہے ہیں تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے یہ ہوگا کہ سورج کے گرد زمین کا چکر بھی چھوٹا ہو جائے گا جس کی وجہ سے زمانوں کا فاصلہ بھی یقیناً کم ہوگا۔ بعض اہلِ علم نے اس قرب زمانی سے اسباب نقل وحمل اور خبر رسانی کے ذرائع کی فراوانی مراد لی ہے۔

حدیث کے کون سے طالب علم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہ دیکھی ہو گی:

علیکم بالدلجۃ فان الارض تطوی باللیل۔ (ابوداؤد عن انسؓ[2])	رات میں سفر کیا کرو کیونکہ رات میں زمین سکڑ جاتی ہے۔

اب تک اس کا مطلب یہی سمجھا جاتا تھا اور کچھ غلط بھی نہ تھا کہ رات میں سفر کا احساس کم ہوتا ہے اور انسان بہت چل کر بھی ٹھنڈ کی وجہ سے تکان محسوس نہیں کرتا، لیکن سائنسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس کے

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۰۔ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۳۳۹۔

بالکل ظاہری اور لفظی معنی بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔ سائنس کی تحقیق ہے کہ ہر چیز ٹھنڈ سے سکڑتی اور حرارت سے بڑھتی ہے چنانچہ ریل لائنوں اور پلوں کے جوڑوں کے درمیان جو تھوڑا سا فاصلہ چھوڑا جاتا ہے وہ اسی لئے تاکہ اسے گرمی میں بڑھنے کی گنجائش باقی رہے۔

رات چونکہ دھوپ نہ رہنے کی وجہ سے دن کی بہ نسبت ٹھنڈی ہی ہوتی ہے اس لئے زمین کا سکڑنا ظاہر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی چہچہاہٹ سمجھتے اور اس سے مطلب اخذ کر لیتے تھے آج اس کی نظیر انسان کے پاس تار (ٹیلیگرام) کی ٹک ٹک ہے کہ عام لوگوں کے لئے وہ ایک مہمل اور بے معنی ٹک ٹک سے زیادہ کچھ نہیں لیکن سمجھنے والا دنیا کی ہر بات اسی ٹک ٹک سے سمجھتا ہے۔

نبی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیسا صاف ارشاد ہے:

ان مما تذکرون من جلال اللہ التسبیح والتہلیل والتحمید ینعطفن حول العرش لھن دوی کدوی النحل الحدیث۔	تم جو اللہ کی عظمت و بڑائی کا ذکر کرتے ہو سبحان اللہ، لا الٰہ الا اللہ، اور الحمد للہ وغیرہ پڑھتے ہو یہ تسبیحات عرش کے گرد گھومتی رہتی ہیں اور ان میں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح دھیمی دھیمی آواز ہوتی ہے۔
(رواہ ابن ابی الدنیا وابن ماجۃ واللفظ لہ والحاکم عن النعمان بن بشیر قال الحاکم صحیح علی شرط مسلم[۱])	

---

[۱] ترغیب ج ۲ صفحہ ۲۳۲

آج سائنس نے اس کا اقرار کر لیا کہ آواز منھ سے نکل کر فنا نہیں ہو جاتی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ فضا میں باقی رہتی ہے چنانچہ ریڈیو اسی تحقیق کا نتیجہ ہے؛ اور بلکہ اب تو اہل سائنس اس بات پر سر دھن رہے ہیں کہ کسی طرح ان پرانی آوازوں کو بھی سن لیں جو صدیوں پہلے سے فضا میں گردش کر رہی ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ کچھ عرصہ میں اس پر بھی قابو پا لیا جائے اور ہم اور آپ سائنس کے آلات کے ذریعہ آدم وحوا کی بات چیت اور ہابیل وقابیل کے جھگڑے، حضرت نوح اور ان کے بیٹے کا مکالمہ، فرعون کا دعویٰ خدائی قارون کے نشہ مال کی اکڑ پھوں، حضرت ابراہیم کی سرزمین مکہ کے لق ودق میدان کی پیاری دعا اور خدا جانے کیا کیا سن سکیں اور کیا بعید ہے کہ مجھ لکھنے والے اور تم ان سطروں کے پڑھنے والوں کی زندگی ہی میں وہ دن آجائے کہ سکونِ دل، نورِ نظر، سرورِ کائنات حضرت محمد (میری ہر شے آپ پر نثار) صلوٰۃ اللہ وسلامہٗ علیہ کے مبارک ارشادات ہم اپنے ان کانوں سے سن لیں اہل سائنس کہتے ہیں کہ کیا عجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ خطبہ بھی ہم سنوا سکیں جو انھوں نے حواریوں کے سامنے دیا تھا۔

مشاہدۂ معجزات کا بدل مطالعہ کائنات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین چونکہ قیامت تک آنے والی دنیا کی تمام نسلوں کے لئے ہے اس لئے اس میں خدائے علام الغیوب نے ایسی ایسی لچک گنجائشیں اور ہر زمانے کا ساتھ دینے کی صلاحیتیں رکھی ہیں، کہ کوئی قوم اپنے کو اس سے آزاد نہیں کر سکتی چنانچہ

اب جو یہ بارہ چودہ سو سال بعد سائنس کا نیا دور شروع ہوا ہے یہ غالباً تکوینی طور پر ان تمام معجزات کو ثابت کرنے کے لئے ظہور پذیر ہوا ہے جن کو پرانے زمانے کے سیدھے سادے انسان صرف سن کر مان لیتے تھے لیکن بعد کے مادی انسان اس میں عقلی گھوڑے دوڑاتے اور مین میخ نکالتے۔

اگرچہ صحیح روایات سے ثابت ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو نہ تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی تاہم خدائے پاک نے اپنے سعادتمند بندوں پر احسان کرنے اور انھیں قرآنی نصوص پر ایمان لانے اور اسے قوی کرنے کا موقع دینے کی خاطر اور نافرمان و سرکش اور ازلی محروم انسانوں پر اتمام حجت کرنے اور قیامت میں ان کا منھ بند کرنے کے لئے تکوینی طور پر اسلام کی تمام باتوں کو اسی دنیا میں ثابت کر کے دکھایا اور نہ معلوم ابھی اور کتنی باتیں کھل کر سامنے آنے والی ہیں اور کس کس طرح سے خدا تعالیٰ اپنے پیارے نبیؐ کے معجزات و ارشادات کو مادی دنیا کے لئے قابل فہم بنانے والا ہے۔

اور ناممکن یہ بھی نہیں ہے کہ کائنات کا مطالعہ ہی سلیم الطبع سائنسدانوں کو خدا تک پہنچا دے اور وہ سچے مسلمان بن جائیں اور مذکورہ بالا حدیث کی ایک نئی شرح دنیا کے سامنے آجائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر شے پر قدرت ہے۔

بنیاد نہیں سہارا

یہاں پر ایک ضروری اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ سائنسی تحقیقات کو اصل سمجھ لینا اور شریعت کی صرف وہی باتیں تسلیم کرنا جن کی سائنس تائید کر دے اور اس سے آگے بڑھ کر

سائنس کو بنیاد بنا کر قرآن و حدیث کی شرح اسی کے مطابق کرنا کھلی گمراہی اور بالکل لادینیت ہے۔ کسی شے پر ایک عقیدے کی بنیاد رکھنا اور کسی شے سے ایک عقیدے کے لئے شہادت فراہم کرنا ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، اسلامی عقائد کی بنیاد تو صرف قرآن و حدیث پر ہے البتہ شہادتیں دیگر علوم و نظریات و تحقیقات سے بھی حاصل کر سکتے ہیں بلکہ بقول مولانا عزیز احمد صاحب "مزید اطمینان قلب کے لئے سائنس کے نظریات سے شہادتیں تلاش کرنی چاہییں[لہ]" تاکہ بہت سے دوسرے انسانوں کے لئے بھی اسلام کی آواز پر لبیک کہنا آسان ہو جائے ــــ لیکن ایک یہ بات ضرور ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ جن نظریات کے ذریعہ اسلامی احکام وارشادات کے لئے شہادتیں فراہم کی جارہی ہیں یہ انسانی علوم و نظریات ہیں جن پر اسلام کی بنیاد نہیں جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اگر کل کو یہ نظریات غلط ثابت ہو جائیں اور ان کی جگہ چند دوسرے نظریات آجائیں تو وہ تمام شہادتیں جو ان نظریات پر مبنی تھیں اگرچہ بیکار ہو جائیں گی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جن مسائل کے لئے وہ شہادتیں فراہم کی گئی ہیں وہ بھی غلط قرار پائیں گے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ بہت سے لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے چاند دیکھا ہے قاضی شرعی نے تسلیم کر لیا لیکن کوئی منچلا بولا کہ جب تک فلاں دیوانی بھکارن ہاں نہ کرلے میں نہیں مانوں گا، اتفاق سے وہ بھی بڑبڑانے لگی کہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ لے اب تو تیری پگلی بھکارن بھی کہنے لگی اب تو مانتا ہے؟ اس نے

[لہ] اسلامی عقائد اور سائنس ص۹ مؤلفہ مولانا عزیز احمد قاسمی بی۔ اے جامعی۔

کہا "ہاں! اب ٹھیک ہے"۔ تو اب آپ مجھے ذرا بتائیے کہ یہ دیوانی اگر ابھی دو منٹ بعد انکار کر دے تو کیا چاند کی شہادت مردود ہو جائے گی؟ لیکن اگر ایک دیوانے کو سمجھانے کے لئے کسی دیوانی کی گواہی بھی اتفاق سے حاصل ہو جائے تو کیا برا ہے اور اگر کل کو پھر وہ گواہی غلط ثابت ہو جاتی ہے تو بلا سے ہو جائے۔

اسلام کے بغیر تمام سائنسی ترقیاں بے سود بلکہ وبالِ جان ہیں

صحیح اسلامی نقطۂ نظر سے ان سائنسی انکشافات اور مادی تحقیقات کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو زندگی کے اس فطری سفر میں اپنی لاعلمی اور کمزوری کی وجہ سے جو دقتیں اور رکاوٹیں پیش آتی ہیں ان پر قابو حاصل کرکے صحیح مقاصد کے لئے قدرت کی ان دولتوں اور نعمتوں کو استعمال کرے جو اس عالم میں بکھری ہوئی ہیں۔

مثال کے طور پر قدیم زمانے میں انسان پیدل سفر کرتا تھا پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ جانوروں سے فائدہ اٹھایا جائے چنانچہ اس نے بیل اور اونٹوں سے فائدہ اٹھایا پھر اس نے اور سرعت و تیزی چاہی تو ہوا سے باتیں کرنے والے گھوڑوں کے ذریعہ سفر کیا اور آہستہ آہستہ ایک سے ایک تیز رفتار سواریاں وجود میں آتی گئیں اور قسم قسم کی موٹریں، ہوائی جہاز، پانی کے جہاز، آبدوز کشتیاں اور انتہائی تیز رفتار جنگی جہاز اور راکٹ ظہور پذیر ہوئے، ان تمام چیزوں کو اگر صحیح مقاصد کے تحت استعمال کیا جائے اور انسانوں کے نفع کے لئے انھیں کام میں لایا جائے تو یہ خدا کی نعمت ہیں اور قرآن حکیم میں جگہ جگہ خدائے پاک نے اس قسم کی چیزوں کو بطور انعام و احسان ذکر کیا ہے کہیں گھوڑوں خچروں کا ذکر ہے کہیں سمندری کشتیوں اور جہازوں کا ذکر ہے کہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا کردہ ہوائی طاقت اور اس کی برق رفتاری کا ذکر ہے لیکن ہر جگہ جب آپ غور کریں گے تو یہ بات بڑی شدت سے محسوس کریں گے کہ جہاں

کہیں بھی کسی نعمت کا ذکر ہوا ہے وہاں کسی نہ کسی پیرائے میں خدا کی قدرت و عظمت رأفت و رحمت اور کبریائی و ربوبیت کا ذکر ضرور کیا گیا ہے جس میں نکتہ یہ ہے کہ انسان ان نعمتوں سے مستفید ہوتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھے کہ یہ محض اللہ کا انعام اور اس کی بخشش ہے اور ہر شئے پر اسی کی حکومت اور قبضہ اسی کا ہے اس نے اپنے کرم سے یہ نعمتیں ہمیں عطا کی ہیں۔

چنانچہ ان نعمتوں اور سہولتوں سے فائدہ اٹھانے میں ایک خداشناس اور ناخداشناس کی نفسیات میں یہی فرق ہے۔ مومن جب خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے تو خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اپنی قوت و حشمت اور رعب و دبدبہ ملاحظہ فرماتے ہیں تو فوراً زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ (سورۃ النمل آیت ۱۹)	اے میرے رب مجھے اس پر مداومت و ہمیشگی دے کہ میں تیری نعمتوں کا شکر کیا کروں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور (اس پر بھی مداومت دے کہ) میں نیک کام کیا کروں جس سے تو خوش ہو اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے نیک بندوں میں شامل رکھ۔

تقریباً یہی کیفیت قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جاہ و جلال کے وقت کی بیان کی گئی ہے، لیکن اس کے برخلاف خدا فراموش اور دین کی راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو اپنی طاقت و دولت پر ناز تھا اور وہ اپنے آگے کسی کو کچھ

نہ سمجھتے تھے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ۔

(حم سجدہ آیت ۱۵)

چنانچہ نہ جو عاد کے لوگ تھے وہ دنیا میں ناحق غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ دنیا میں کون ہم سے زیادہ طاقتور ہے (خدا تعالیٰ فرماتا ہے) کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ قوت میں ان سے بہت زیادہ ہے اور (یہ لوگ) ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

اسی طرح قرآن کریم میں اور بھی بہت سے ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو اپنی قوت و دولت کے نشہ میں مدہوش تھے اور اپنی طاقت کے زعم و احساس میں کسی کو اپنے سے بلند نہیں سمجھتے تھے، قارون کو جب اس کی قوم نے سمجھایا کہ "اِترا مت اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے اس سے آخرت بھی کمالے اور دنیا میں سے (آخرت کے لئے) اپنا حصہ نہ بھول جا اور جس طرح خدا تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی لوگوں پر احسان کیا کر اور دنیا میں فساد مت پھیلا" تو اس نے جواب دیا کہ مجھے خدا کیوں دیتا اور مجھ پر کسی کا کیا احسان ؟

اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ

(قصص آیت ۷۸)

مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ہنرمندی سے ملا ہے۔

اپنی قوت و سلطنت پر غرہ و ناز کرنے والے اور کمزوروں، ناتوانوں پر ظلم و ستم ڈھانے والے، خدا کی زمین پر فتنہ و فساد برپا کرنے والے اگرچہ کچھ دن دندناتے

پھرتے رہیں لیکن ان کی اس بہیمیت و درندگی کی عمر کچھ زیادہ طویل نہیں ہوا کرتی اور ایک دن ضرور وہ خدا کی سخت گرفت کا شکار ہو جاتے ہیں: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (بے شک تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے) چنانچہ قرآن کریم میں جگہ جگہ اس قسم کے بدباطن و کور بختوں کی بربادیوں کے واقعات دہرائے گئے ہیں اور خدا کا یہ قانون کسی زمانے یا قوم و ملک کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جو قوم بھی اپنے اصل مقصد سے ہٹ کر خدا کے صحیح دین اور اخلاقی تربیت سے منہ موڑ کر علم و صنعت اور مادی تحقیقات میں ترقی کرے گی اس کے طبعی اثرات وہی ہوں گے جو گذشتہ قوموں کے ہوئے ہیں۔

بدقسمتی سے آج دنیا جس تیزی سے علم و صنعت اور مادیات میں ترقی کر رہی ہے اسی سرعت کے ساتھ دین و اخلاق سے دور ہوتی جا رہی ہے، دین و اخلاق اور انسانیت و شرافت سے اس کی دوری کا یہ عالم ہے کہ درندوں میں اور ان میں کوئی فرق نہیں رہ گیا ہے بلکہ حرص و طمع، سنگدلی اور بے دردی، ظلم و سفاکی میں درندے بھی ان سے شرما جائیں، آج دنیا کے پاس زندگی کے تو تمام وسائل موجود ہیں لیکن اس کو جینا نہیں آتا، ہمارے زمانے کے اسلامی مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ "آج کی دنیا کی علمی و صنعتی بلند پروازیوں اور اخلاقی پستیوں میں قطعاً کوئی تناسب نہیں ہے، طبعی علوم نے جو زبردست طاقت اس کو بخشی ہے اس کے استعمال کا وہ سلیقہ نہیں رکھتی۔"[1]

---

[1] "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" ص ۳۰۵

مغربی مفکرین اس معاملہ میں بڑے پریشان ہیں اور باوجود اپنی مادی ترقیات کے اپنے کو انتہائی بے چینی اور مصیبت میں پاتے ہیں اور گو بیچارے سمجھ نہیں رہے ہیں لیکن حقیقت میں وہ مادہ سے تنگ آکر روحانیت اور "مشاہدات فطرت" سے اکتاکر "مغیبات فطرت" یا دوسرے لفظوں میں "دین فطرت" کی طرف آنا چاہ رہے ہیں۔ پروفیسر جوڈ نے خوب کہا ہے کہ "علوم طبعی نے ہم کو وہ قوت بخشی جو دیوتاؤں کے شایان شان تھی لیکن ہم اس کو بچوں اور وحشیوں کے دماغ سے استعمال کر رہے ہیں"[1]

ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے "ہماری حیرت انگیز صنعتی فتوحات اور ہماری شرمناک اخلاقی بچپن کے درمیان جو تفاوت ہے اس سے ہمارا ہر موڑ پر سابقہ پڑتا ہے، ایک طرف ہماری صنعتی ترقیوں کا حال یہ ہے کہ ہم بیٹھے بیٹھے سمندر پار سے اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم کے لوگوں سے بے تکلف باتیں کر سکتے ہیں، سمندر کے اوپر اور زمین کے نیچے دوڑتے پھرتے ہیں، ریڈیو کے ذریعہ سیلون میں گھر بیٹھے لندن کے بڑے گھنٹے (BIG BEN) کی آواز سنا کرتے ہیں، بچے ٹیلیفون کے ذریعہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں، برقی تصویریں آنے لگیں، بے آواز کے ٹائپ رائٹر چل گئے ہیں، بغیر کسی درد و تکلیف کے دانت بھرے جا سکتے ہیں، کھیتیاں بجلی سے پکائی جاتی ہیں، ربڑ کی سڑکیں بنتی ہیں، ایکسرے کے ذریعہ ہم اپنے جسم کے اندرونی حصہ کو جھانک کر دیکھ سکتے ہیں، تصویریں بولتی اور گاتی ہیں، لاسلکی کے ذریعہ

---

[1] حوالہ بالا

مجرموں اور قاتلوں کا پتہ چلایا جاتا ہے، برقی موجوں سے بالوں میں پیچ و خم پیدا کیا جاتا ہے، آبدوز کشتیاں قطب شمالی تک اور ہوائی جہاز قطب جنوبی تک اڑ کر جاتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود ہم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے بڑے بڑے شہروں میں کوئی ایسا میدان بنا دیں جس میں غریبوں کے بچے آرام و حفاظت کے ساتھ کھیلیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سالانہ دو ہزار بچوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور نوے ہزار زخمی ہوتے ہیں ایک مرتبہ میں ایک ہندوستانی فلسفی سے اپنے تمدن کے عجائبات کی تعریف کر رہا تھا، اسی زمانے میں ایک موٹر چلانے والے نے (SANDS PENDINE) میں تین سو یا چار سو میل کی مسافت ایک گھنٹہ میں طے کر کے ریکارڈ قائم کیا تھا یا کسی ہوا باز نے ماسکو سے نیویارک کی مسافت مجھے یاد نہیں بیس گھنٹے میں یا پچاس گھنٹے میں طے کی تھی، جب میں سب کہہ چکا تو ہندوستانی فلسفی نے کہا ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ہوا میں چڑیوں کی طرح اڑتے اور پانی میں مچھلیوں کی طرح تیرتے ہو لیکن ابھی تک تم کو زمین پر انسانوں کی طرح چلنا نہیں آیا۔[1]"

غور کیجئے یہ باتیں کوئی قدامت پرست مشرقی یا کوئی نام نہاد ملا نہیں کہہ رہا بلکہ دین و اخلاق کی بھوک کا یہ احساس ایک ایسے انسان کو ہو رہا ہے جنہوں نے مغرب کے مادی ماحول ہی میں آنکھیں کھولی ہیں اور وہیں پلا بڑھا اور وہیں رہا محترم

---

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۳۰۶ بحوالہ

GUIDE TO MODERN WICKEDNESS

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک دوسرے مغربی فاضل ڈاکٹر الکسں کیرل ALEXIS CARREL کی کتاب MAN THE UNKNOWN کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

"موجودہ زندگی انسان کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ دولت کو ہر ممکن ذریعہ سے حاصل کرے لیکن یہ ذرائع انسان کو دولت کے مقصد تک نہیں پہنچاتے، یہ انسان میں ایک دائمی ہیجان اور جنسی خواہشات کی تسکین کا ایک سطحی جذبہ پیدا کرتے ہیں، ان کے اثر سے انسان صبر و ضبط سے خالی ہو جاتا ہے اور ہر ایسے کام سے گریز کرنے لگتا ہے جو ذرا دشوار اور صبر آزما ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب جدید ایسے انسان پیدا ہی نہیں کر سکتی جن میں فنی تخلیق ذکاوت اور جرأت ہو" آگے کہتا ہے "ہم محسوس کر رہے ہیں کہ تہذیب جدید نے ان بڑی بڑی امیدوں کو پورا نہیں کیا جو انسانیت نے اس سے وابستہ کی تھیں" آگے طبعی علوم و فنون کی ناکامی کا اقرار کرتے ہوئے ڈاکٹر موصوف لکھتا ہے۔ "طبعی علوم اور صنعتی فنون میں انسان کے لئے جو ماحول تیار کیا ہے وہ انسان کے مناسب حال نہیں ہے، اس لئے کہ وہ برجستہ ہے کسی سابق نقشہ یا غور و فکر پر مبنی نہیں اور اس میں انسان کی شخصیت کے ساتھ مطابقت کا لحاظ نہیں رکھا گیا، یہ ماحول جو محض ہماری ذہانت اور ایجادات کی تخلیق ہے ہمارے قد و قامت اور ہماری صورت کے مطابق نہیں، ہم مسرور نہیں ہیں ہم ایک روز افزوں اخلاقی اور عقلی انحطاط میں مبتلا ہیں، جن قوموں میں صنعتی تمدن پھلا پھولا اور اپنے عروج کو پہنچا ہے وہ پہلے سے بہت کمزور ہیں اور وہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ وحشت و بربریت کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن ان کو اس کا احساس

نہیں ان کو اس وقت اس باغی دشمنِ انسانیت ماحول سے کوئی قوت بچا نہیں سکتی جو طبیعی علوم نے ان کے گرد حصار کی طرح کھینچ دیا ہے۔" آگے چند سطروں کے بعد لکھتا ہے۔ "ہم مادیت کا جتنا علم رکھتے ہیں اس کے مقابلہ میں زندگی کا علم اور یہ کہ انسان کو کس طرح زندگی گذارنا چاہیئے بہت کم رکھتے ہیں اور ہمارا علم اس بارے میں ابھی تک بہت پیچھے ہے اور اس کم علمی کا نقصان ہم بھگت رہے ہیں۔"

بات اگرچہ بہت طویل ہوتی جا رہی ہے لیکن کیا کروں جو باتیں اگر کسی عالمِ دین کی زبان سے مغربیت کی مذمت اور اسلامی اخلاق و معاشرت اور طرزِ زندگی کی خوبی کے بارے میں نکلتیں تو ایک فریب خوردہ اور مادہ کا حریص انسان اسے سننے سے گریز کرتا وہ باتیں ایک مغربی فاضل کے قلم سے صادر ہو رہی ہیں لکھتا ہے

" ایجادات و اکتشافات میں جس تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے، طبیعی علوم فلکیات اور علم الکیمیا کے اکتشافات کو زیادہ اہمیت دینے سے کچھ فائدہ نہیں، راحت، تعیش، جمال، جسامت اور تکلفاتِ زندگی میں اضافہ و ترقی سے کیا فائدہ جب ہمارا ضعف اس سے فائدہ نہ اٹھانے دے اور ہم اس کو صحیح راستہ پر نہ لگا سکیں، ایسے نظامِ زندگی کو مستحکم سے مستحکم تر بنانے سے کیا فائدہ جس سے اخلاقی پہلو بالکل خارج کر دیا جائے اور عظیم قوموں کی بہترین صفات نکال دی جائیں، ہمارے لئے مناسب بات یہ تھی کہ تیز رفتار جہازوں، زیادہ آرام دہ موٹروں، زیادہ ارزاں ریڈیو اور زیادہ عمدہ رصدگاہوں کے بجائے اپنے آپ کی طرف زیادہ توجہ کریں، میکانیکی، طبیعی اور کیمیاوی علوم کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ ہم کو ذہانت بخش دیں اور اخلاقی نظام، اعصابی توازن اور امنِ فہم

سکون عطا کریں۔"[1]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جس سے انسان کا موجودہ تقاضہ پورا ہو جائے اور وہ کون سا طریقہ ہے جس کے مطابق زندگی گذار کر انسان کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے ـــ جواب صاف ہے کہ ابھی مغربی فاضل نے اعتراف کیا ہے کہ ہمارا یہ طریقہ زندگی گذارنے کے لئے اس لئے ناکافی ہے کہ اسے ہمارے ذہنوں نے ترتیب دیا ہے اس لئے کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہیئے جو انسانی ذہن کی پیداوار نہ ہو بلکہ اس سے کسی بلند ہستی کا تعلیم فرمودہ ہو اور انسان سے بڑھ کر مخلوقات میں کون ہو سکتا ہے اس لئے جواب بس ایک ہی رہ جاتا ہے کہ وہ طریقہ انسان کے خالق و مربی کا بنایا ہوا مذہب فطرت یعنی دینِ اسلام ہے جس نے انسان کے فطری تقاضوں کو بھی پامال نہیں ہونے دیا بلکہ ان کو ترقی دی اور پروان چڑھایا ہے اور انسان کی اس باطنی ضرورت کو بھی بوجہ اتم اور کامل طور پر پورا کیا ہے جس کے لئے آج وہ تمام دنیوی اسباب و وسائل کے باوجود بے چین ہے۔

مغربی تہذیب کی بنیادی اور حقیقی غلطی یہ ہے کہ اس نے اصل مقصد سے تو آنکھیں بند کر لی ہیں اور لذت و راحت، مادی انتظام و سربلندی کو اصل مقصد بنا لیا ہے اور اپنی ساری قوتِ علم اور ذہانت کو ان مقاصد کے حصول میں صرف کر دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام مصیبت جس کا بہت سے مغربی

---

[1] "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" ص ۳۰۷ تا ص ۳۱۰ ملخصاً"

فضلاء و مصنفین نے اپنی تصانیف میں بار بار رونا رویا ہے اور اپنے دل کی کڑھن کا طرح طرح سے اظہار کیا ہے، صرف اس وجہ سے ہے کہ انسان مقصد سے ہٹ گیا ہے اور غیر مقصود کو مقصود بنا لیا ہے، یہ تمام اسباب و وسائل جب تک اسباب و وسائل کے درجہ میں رہیں گے مفید ہوں گے اور انسان کے آرام و راحت میں استعمال ہوں گے اور جب کبھی یہ اپنے اصل مقام سے ہٹ کر مقصدیت کا درجہ پائیں گے انسان کے لئے بلا و مصیبت اور عذاب بن جائیں گے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے علی گڑھ کی اپنی تاریخی تقریر میں کہا تھا "مقصود اصلی یعنی دین سے جدا رہ کر سائنس محض میں انہماک پیدا کرنا کوئی عاقلانہ فعل قرار نہیں پا سکتا، بلکہ اسے وسیلہ کی حد تک اور بمقدار ضرورت ہی اختیار کرنا دانائی ہوگی"[۱] آگے فرماتے ہیں "سائنس کے کارنامے جب تک مذہب کے لئے بطور وسیلہ استعمال ہوں گے خواہ وہ ترقی کی کسی حد پر بھی پہنچ جائیں ان کا انجام خوش کن ہوگا، اور جب اس سے جدا ہو کر خود مقصودیت کی شان لے لیں گے یعنی روحانیت ترک ہو کر مادیت محضہ مقصود کی جگہ لے لیگی خواہ وہ کم سے کم ہی ہو جب ہی انجام خطرناک اور ذلت آمیز نکلے گا"[۲]

مادی ترقی انسانیت کا کمال نہیں ہے

غور کیجئے کہ صدیوں سے مادہ پر محنت کرنے والا یہ

---

۱ "سائنس اور اسلام" صـ ۸۲

۲ ایضاً صـ ۸۳

انسان کیا ان جانوروں سے آگے بڑھا ہے جو اپنی پیدائش کے پہلے ہی دن سے اس مادہ کے استعمال کے ماہر ہوتے ہیں، فلک بوس عمارتیں اور کئی کئی منزلہ بلڈنگیں بنانا اگر کوئی کمال ہے تو بیا پرندہ اس میں انسان سے بڑھا ہوا ہے کہ باقاعدہ کئی کمروں کا آشیانہ بناکر محفوظ ترین شاخ پر بڑی مضبوط گرہ لگا کر لٹکا دیتا ہے اور بارش سے اس قدر محفوظ رکھتا ہے کہ ایک قطرہ اندر نہیں ٹپک سکتا اگر بجلی کے قمقموں سے مکان کو چمکانا کوئی کمال ہے تو بیا بھی اپنے نشیمن کو قدرتی چمکدار مٹی کی دھیمی دھیمی روشنی سے روشن کرلیتا ہے۔ سرنگیں کھود کر ان میں اپنے کو محفوظ کرلینا اگر کوئی بڑی بات ہے تو جنگل کے بھیڑیئے، درندے اس کام میں مجھ سے اور آپ سے زیادہ ماہر ہیں۔ ھُدھُد (کھٹ بڑھئی) اور طوطا درختوں کے تنوں کو اپنی نوکدار چونچ سے کھود کھود کر وہ شاندار سرنگ تیار کرتے ہیں کہ انسان دیکھا کرے۔

اگر فن ہندسہ کی اشکال کا جاننا کوئی بڑی چیز ہے تو شہد کی مکھی ایسے شاندار مسدس شکل کے گھر بناتی ہے کہ بقول مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ "پرکار اور مسطر سے بھی اگر ان کی پیمائش کی جائے تو بال برابر بھی فرق نہ نکلے"[1]

اگر عمدہ قسم کے جام (JAM) اور شربت تیار کرنا کوئی انسانیت کا کمال ہے تو شہد کی مکھی مختلف قسم کے پھولوں اور پھلوں کے بہترین اجزاء سے وہ عمدہ اور قیمتی شربت تیار کرتی ہے کہ قرآن کریم میں اس کی تعریف میں یہ الفاظ ارشاد

---

[1] البلاغ کراچی ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ۔

ہوئے ہیں:

فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ شہد میں لوگوں کے لئے شفا رکھی گئی ہے۔ (نحل آیت ۶۹)

اگر کشتیوں اور جہازوں کے دریائی سفر کرنا اور آبدوز کشتیوں کے ذریعہ سمندر کا سینہ چاک کرنا کوئی کمال ہے تو مچھلیاں اور دریائی جانور اس میں انسانوں سے کہیں بڑھ کر ہیں۔

اگر ہوائی جہازوں اور راکٹوں کے ذریعہ دنیا کا سفر کرنا کوئی معراج ترقی ہے تو پرندے اس وصف میں انسان سے بڑھے ہوئے ہیں، سائنس کی مشہور کتاب[1] "MEN OF SCIENCE AND THEIR DISCOVERIES" میں لکھا ہے کہ باقاعدہ جانوروں کے پیروں میں کڑے ڈال ڈال کر تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ بعض پرندے سو میل فی گھنٹہ کی اور بعض ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑتے ہیں اور بعض پرندے سردی کا موسم گذارنے کے لئے دور دور علاقوں کا سفر کر کے جاتے ہیں اور کبھی کبھی ساوں باہر رہ کر پھر اپنے اسی پرانے مقام اسی گھونسلے میں واپس آجاتے ہیں۔ ایک پرندے (TANAGER BIRD) کے بارے میں لکھا ہے کہ گرمی کے موسم میں شمالی امریکہ میں رہتا ہے اور سردی جنوبی امریکہ میں گذارتا ہے۔"

---

[1] PAGE No: 80

. BY WILLIAM & STELLANIDA

حتیٰ کہ اگر چاند کا سفر بھی کوئی منتہائے ترقی ہے تو چکور پرندہ ہمیشہ چڑھتی چاندنی کی راتوں میں ایسا بے تابانہ چاند کی طرف پرواز کرتا ہے کہ جب تک اس کے بازؤوں میں دم رہتا ہے اور جب تک اس کی طاقت ساتھ دیتی ہے برابر سفر کرتا رہتا ہے، بلکہ بعض دریاؤں میں پانی کے جوار بھاٹے اسی وجہ سے آتے ہیں کہ پانی میں چاند کی طرف کشش ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ تو اگر یہ کوئی انسانیت کا کمال ہے تو ایک حقیر پرندہ بلکہ بے جان پانی بغیر اسباب و وسائل کے بہت پہلے سے اس کے لئے وشاں ہے۔ پیچھے آپ ایک ہندوستانی فلسفی کا کیا سچا مقولہ پڑھ آئے ہیں کہ:

"ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ہواہیں چڑیوں کی طرح اڑتے اور پانی میں مچھلیوں کی طرح تیرتے ہو لیکن ابھی تک تم کو زمین پر انسانوں کی طرح چلنا نہیں آیا۔"

مولانا ظفر احمد عثمانی اپنے ایک مضمون "سائنس۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے" میں فرماتے ہیں "آپ ہواہیں اڑنے لگے تو پرندے آپ سے زیادہ اس میں کامیاب ہیں۔ پانی پر چلنے لگے تو سمندری جانور اس میں آپ سے زیادہ ماہر ہیں۔ انسانیت کا کمال یہ ہے کہ اس کو عقائد و عبادات و اخلاقیات اور روحانیات کا صحیح علم حاصل ہو ورنہ اور جتنے کام ہیں ان میں جانور انسان سے کم نہیں بلکہ دس قدم آگے ہی ملیں گے[۱]۔"

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

---

[۱] پندرہ روزہ میقات دیوبند یکم و ۱۶ مئی ۱۹۶۹ء

کیا اس میں کچھ شبہ ہے کہ یورپ اور امریکہ نے سائنس کی قوتوں سے کام لینے میں بہت مدہش اور محیر العقول مادی ترقیات کا مظاہرہ کیا ہے لیکن آپ اسے انسانوں کی ترقی کہنا چاہیں تو کہہ لیجئے لیکن انسانیت کی ترقی ہرگز نہیں کہہ سکتے، ان کے ارتقائی کارناموں کی صحیح تعبیر یہی ہو سکتی ہے کہ انسان نے حقیقی شرف انسانیت کو کھو کر اور مفہوم انسانیت کو مسخ کر کے بہیمت اور ابلیسیت کو معراج کمال تک پہونچا دیا ہے[1]۔"

حقیقت یہ ہے کہ آج کے انسان نے دنیا کی ہر ہر چیز کے بارے میں غور و فکر کیا ہے لیکن اگر نہیں غور و فکر کیا تو اپنے باطن میں نہیں کیا اور جس ایک چیز کو اس نے سدھارنے کی کوشش نہیں کی ہے وہ خود اس کی اپنی ذات ہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

---

[1] "اسلام میں صنعت و حرفت" از مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم۔ البلاغ کراچی۔ شعبان ۱۳۸۷ھ

خلائی سیر

خلائی پرواز کا امکان قرآن حکیم سے

یہ بات کہ انسان زمین کے دائرۂ کشش سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں اور کرۂ زمہریر یا کرۂ ناریہ سے گذر جا سکتا ہے یا نہیں. خواہ کسی زمانہ میں بھی پیدا ہوئی ہو اور اس کے امکان یا عدم امکان کی بحث کبھی بھی چھڑی ہو لیکن یہ بات ہم مسلمانوں کے لئے چمکتے ہوئے سورج کی طرح سے صاف ہے کہ سب سے پہلا انسان جو اس زمین کے باہر (جنت) سے اس زمین میں آیا وہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور جو انسان پہلے پہل زمین کے دائرۂ کشش سے پار ہو کر زندہ سلامت اس کرہ سے منتقل ہو کر آسمان میں پہنچا ہے وہ ایک عظیم پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں پھر تیسری بار یہ حقیقت دنیائے انسانیت کے سامنے اس وقت آئی جبکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے منٹوں سکنڈوں میں ساتوں آسمان اور جنت و دوزخ تک بلکہ فرشتوں کی جولانگاہ سے بھی آگے تک کا سفر کیا تھا ۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں
(اقبالؔ)

تو ہم لوگوں کے نزدیک تو امکان و عدم امکان کی بحث اسی دن ختم ہو گئی تھی

جبکہ یہ واقعات ہمارے علم میں آئے تھے، اب ہمارے لئے نہ کرۂ زمین سے آزاد ہو جانا کوئی حیران کن اور اچنبھے کی بات ہے اور نہ برق رفتار خلائی راکٹ ہمارے لئے کوئی الجھنے کی چیزیں ہیں بلکہ قرآن کریم میں ہم اس قسم کے واقعات پڑھ کر پہلے ہی سے ان چیزوں سے مانوس ہیں، آج کا دیو پیکر راکٹ صرف تین آدمیوں کو لے کر اڑتا ہے قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہوائی تخت کا ذکر ہے جس پر وہ مع اعیان دولت کے اور ضروری سامان کے سوار ہو جاتے تھے[1] اور وہ ایسا تیز اڑتا تھا کہ:

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ (سورہ سبا آیت ۱۲)

اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی مسافت کی بقدر ہوتی تھی اور شام کی منزل ایک مہینہ کی

یعنی ایک صبح اور ایک شام میں دو ماہ کی مسافت طے ہوتی تھی۔ اسی طرح چشم زدن میں بلقیس کا عظیم الشان شاہی تخت "مارب" سے "شام" آگیا تھا جس کا قصہ سورہ نحل[2] میں ذکر کیا گیا ہے۔

ان تمام واقعات سے اتنا ثابت ہو گیا کہ کسی زندہ جسم کا خلا میں پرواز کرنا یا زمین کے مدار سے باہر نکل جانا اسی طرح انتہائی تیزی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ کسی جسم کا منتقل ہو جانا خارج از امکان نہیں ہے، اگرچہ یہ جو کچھ ہوا بطور معجزہ کے ہوا لیکن اس سے امکان تو بہر حال ثابت ہو ہی گیا کیونکہ معجزہ خلاف عادت

---

[1] حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی صـ۴۲۵ سورۃ انبیاء، آیت ۸۱

[2] آیت ۴۰۔

کا نام ہے ناممکن کے ممکن یا واقع ہو جانے کا نام نہیں۔

قرآن کریم نے تو اتنی دور تک کا امکان ثابت کر دیا ہے کہ شاید قیامت تک بھی انسان وہاں تک نہ پہنچ سکے، پورے خلا کا پار کرنا پھر ایک آسمان سے پار ہونا پھر اس کے پورے خلاء سے گذرنا اسی طرح ساتوں آسمان اور ہر ایک کے اوپر کا خلا اس قدر وسیع میدان ہے کہ اس کا تصور بھی انسان کے بس میں نہیں ابھی تو سائنس داں کروڑہا کروڑ کہکشاؤں میں سے صرف اپنی اسی ایک کہکشاں کو سوچ سوچ کر دنگ ہیں، خلا کی بے پناہ وسعتیں دیکھ دیکھ کر سائنس دانوں پر جو گذرتی ہے اس کا تصور آپ اور ہم یہاں بیٹھے ہوئے کر ہی نہیں سکتے۔

زمینیں بہت سی ہیں

قرآن مجید سے بالکل صاف طور پر یہ بات ثابت ہے کہ زمینیں سات ہیں سورۂ طلاق کی آخری آیت ہے:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ — اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان

وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ — اور زمینیں بھی اتنی ہی[1]

ترمذی اور مسند احمد[2] کی ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے:

قال هل تدرون ما الذی تحتکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال انها — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا تم جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے؟

---

[1] ترجمہ از مولانا شاہ عبد القادر صاحب دہلوی [2] وابن ابی حاتم والبزار عن ابی ہریرۃ ایضاً بسند آخر۔ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۰۳

الارض ثم قال هل تدرون ماتحت ذلك قالوا الله ورسوله اعلم قال ان تحتها ارض اخرى بينهما مسيرة خمسمائة سنة حتى عد سبع ... ارضين بين كل ارضين مسيرة خمسمائة سنة[۱]

صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا تمہارے نیچے زمین ہے (یعنی یہی زمین) پھر فرمایا جانتے ہو اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ کرام نے پھر وہی جواب دیا۔ آپؐ نے فرمایا اس کے نیچے ایک دوسری زمین ہے اور ان دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت ہے اسی طرح آپؐ نے سات زمینوں کا ذکر کیا اور ہر دو زمینوں میں پانسو سال کی مسافت بتائی۔

اس آیت اور پھر اس حدیث سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ:

(۱) زمینیں سات ہیں (۲) اور ہماری یہ زمین سب زمینوں سے اوپر ہے (۳) اور یہ سب زمینیں ایک ہی جگہ نہیں بلکہ ہر ایک دوسری سے جدا ہے۔ نواب مولانا قطب الدین صاحب دہلوی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی جو ساتوں زمینوں کو ایک ہی جگہ ایک دوسری سے ملی ہوئی کہتے ہیں[۲]۔

---

[۱] مشکوٰۃ ص۵۱۰ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ وحکی اللکنوی فی فتاواہ ج ۱ ص۵ عن الحافظ ابن حجر قال واخرجہ اسحٰق بن راہویہ والبزار من حدیث ابی ذر نحوہ

[۲] مظاہر حق ص۴۹۴ (نولکشور لکھنؤ)

جو لوگ ساتوں زمینوں کو ایک ہی جگہ مانتے ہیں وہ سات اقلیمیں[1] بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس طرح آسمان کے لئے جمع کا لفظ سموات لایا گیا ہے اس طرح زمین کے لئے نہیں، اس کے کئی جوابوں میں سے دو جواب راقم سطور کو زیادہ پسند ہیں ایک تو علامہ سیوطی نے اتقان میں دیا ہے کہ ارض کی جمع ارضون ثقیل ہے اس لئے ہمیشہ اس کو مفرد ہی لایا گیا ہے حتی کہ اگر ضرورت جمع ہی کی پڑ گئی تب بھی ومن الارض مثلھن (اور انھیں کے برابر زمینیں) کہا گیا جمع کا صیغہ نہیں لایا گیا اس لئے کہ تلفظ میں وہ ثقیل ہوتا ہے[2] دوسرا جواب صحیح اور بنیادی میرے نزدیک یہ ہے کہ جب ایک مستند حدیث کے اندر صاف طور پر ان کا الگ الگ ہونا آچکا ہے تو صرف ایک لفظی شبہ کی بنا پر جس کا حل بھی موجود ہے ان کو ایک نہیں کہا جا سکتا، علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

قال الجمهور انها سبع	جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ زمینیں طبقہ وار
ارضین طباقا بعضها فوق	سات ہیں ایک زمین دوسری کے اوپر ہے
بعض بین کل ارض وارض	اس طرح کہ ہر دو زمینوں میں زمین و آسمان
مسافة کما بین السماء والارض	کی مسافت ہے اور ہر زمین میں خدا کی
وفی کل سکان من خلق الله[3]	مخلوق بستی ہے۔

---

[1] تفسیر المدارک للنسفی ص ۲۶۸ ج ۴ (عیسیٰ البابی مصر)

[2] اتقان ج ۱ ص ۱۹۲

[3] تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۱۷۴، حاشیہ جمل علی الجلالین ج ۴ ص ۳۶۴ و روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۴۲

مفسر ضحاک کی رائے یہ ہے کہ ساتوں زمینیں بلا فصل سب ایک ہی جگہ ہیں لیکن علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ پہلی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ احادیث سے اس کی تائید ہو چکی ہے[1]، علامہ آلوسی (صاحب تفسیر روح المعانی) قرطبی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ تمام اقوال میں صحیح ترین قول یہی ہے کہ تمام زمینیں جدا جدا ہیں[2]، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ "جس نے اس سے ہفت اقلیم لی ہیں وہ اصل مسئلہ سے دور جا پڑا ہے اور جھگڑے کو پھیلا دیا اور بلا دلیل قرآن و حدیث کی مخالفت کی ہے[3]"

مولانا عبد الحی لکھنوی بھی اسی رائے سے متفق ہیں[4]۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ آیت مذکورہ اور حدیث گزشتہ نیز آنے والی ایک حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "بعد ظہور توافق آیت و حدیث اس باب میں ان تفسیروں کا قول جنھوں نے سبع ارضین سے سبع اقلیم مراد لی ہیں یا ہفت طبقات زمین واحد تجویز کئے ہیں معتبر نہیں ہو سکتا، خاص کر اہل فہم کے نزدیک کیونکہ آیت مذکورہ ہی بے معونت و معینہ حدیث مسطور تعداد الارض پر اور وہ بھی بقدر ہفت السمی صاف دلالت کرتی ہے جیسے آسمانوں کے سات ہونے پر[5]"

بخاری شریف کی شرح فتح الباری سے اندازہ ہوتا ہے کہ دراصل یہ قول قدیم اہل ہیئت کا ہے کہ تمام زمینیں اسی ایک کرہ کے اندر ہیں،

---

[1] حاشیۃ الجمل ج ۴ ص ۳۶۲ و ج ۱ ص ۳۵ [2] تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۱۷۵ [3] روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۴۴ [4] مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۶ [5] تحذیر الناس ص ۳۲ [6] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳

قولہ تعالیٰ ومن الارض مثلھن یرد علی اھل الھیئۃ فی قولھم ان لا مسافۃ بین کل ارض وارض[1]

اللہ رب العزت کا قول ومن الارض مثلھن (آسمانوں کی بقدر زمینیں بھی بنائیں) اہل ہیئت کے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ ہر دو زمینوں کے درمیان کوئی مسافت نہیں۔

علامہ خفاجی تفسیر بیضاوی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "ہمارا جو عقیدہ ہے وہ یہی ہے کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں اور ان میں خدا کی مخلوق آباد ہے جن کا علم صرف خدا ہی کو ہے[2]"

وہ زمینیں کہاں ہیں؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں "ان سات زمینوں میں احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں مگر لوگ ان کو کواکب سمجھتے ہوں، جیسا کہ مریخ وغیرہ کی نسبت آج کل حکمائے یورپ کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ اور دریا اور آبادی ہے، اور حدیث میں جو ان زمینوں کا اِس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہوا ہے وہ شاید باعتبار بعض حالات کے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اس سے فوق ہو جاتی ہوں[3]"

بعض حالات میں اوپر اور بعض میں نیچے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام سیارات جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے سورج کے گرد گھومتے ہیں اور ہر

---

[1] مجموعۃ الفتاوی ص ۔ [2] مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۶ [3] بیان القرآن و حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی سورہ طلاق کی آخری آیت۔

ایک کی لائنیں مقرر ہیں تو گھومنے کے دوران وہ سیارے اور زمین ایک دوسرے سے کبھی اوپر ہوں گے اور کبھی نیچے۔

بعض علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ "چونکہ قرآن میں خدا نے کہا ہے کہ اس کی مخلوق کی تفصیل کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اس وجہ سے یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ ان لاکھوں ستاروں میں کیسی مخلوق رہتی ہے، یہاں انسان کی عقل بے کار ہے، قرآن میں ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (خدا کی مخلوق کو صرف خدا ہی جانتا ہے[1]"

یہ بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ یہ مریخ و مشتری وغیرہ جیسے ستارے کوئی مستقل دنیائیں ہوں جبکہ ہمیں یہ دنیا تو دنیا ایک بلڈنگ بلکہ ایک کمرہ جتنے کبھی دکھائی نہیں دیتے، کیونکہ دور سے کسی چیز کی نہ صحیح کیفیت معلوم ہوا کرتی ہے اور نہ اس کی جسامت و بڑائی کا کوئی اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ ابھی جولائی ۱۹۶۹ء میں جو امریکی خلا باز چاند پر پہنچے ہیں تو انھوں نے وہاں سے دنیا والوں کو بتایا کہ ہماری زمین ہمیں یہاں سے ایک بڑے سے خوبصورت چاند کی طرح نظر آرہی ہے تو یہ لوگ چونکہ چاند تک ہی پہنچے تھے اس لئے یہ زمین ایک بڑے سے چاند کی طرح نظر آرہی تھی، ظاہر ہے کہ اگر اس سے اور کئی گنا فاصلے سے زمین کو دیکھا جائے تو بالکل ستارے کی طرح نظر آئے گی لہٰذا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان جھلملاتے ہوئے روشن ستاروں میں کتنی دنیائیں آباد ہوں گی جن تک پہنچنا انسان کو نہ معلوم

---

[1] حاشیہ قرآن مجید، معجز نما مترجم طبع نور محمد دہلی ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۷ء

کب تک ممکن ہو سکے گا اور کیا خبر ہے کہ وہاں تک رسائی کے بعد بھی پھر کوئی پکار اٹھے کہ

ع ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

زمین کی تعریف پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زمین کسے کہتے ہیں اس کے بعد ہی آگے کی گفتگو چل سکتی ہے، تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے

الظاهر ان المراد بالارض الجسم المعروف وقيل لعل المراد منها ما في جهة السفل من الاجرام الكثيفة واللطيفة من التراب والماء والهواء[1]۔	ظاہر یہ ہے کہ زمین سے مراد یہی جسم معروف ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس سے مراد وہ اجرام کثیفہ اور لطیفہ ہوں جو نیچے کی جہت میں ہیں یعنی مٹی پانی اور ہوا۔

لیکن زمین (ارض) سے مراد مطلقاً مستقر بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ علامہ آلوسی سورۂ زمر کی تفسیر میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

(واورثنا الارض) يريدون المكان الذى استقروا فيه[2]۔	ارض سے مراد اہل علم نے وہ جگہ لی ہے جہاں پر اہل جنت ٹھہریں گے یعنی جہاں ان کا ٹھہراؤ اور تمکن و استقرار ہوگا۔

اور حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے تسلیم کیا ہے[3]، چنانچہ

---

[1] روح المعانی ج ۲۴ ص ۹۹ سورۃ حم السجدہ [2] بیان القرآن۔ سورۃ الشوریٰ
[3] روح المعانی ج ۲۴ ص ۳۵

قرآن کریم میں جنت کی زمین کو زمین کہا گیا ہے۔ جنت میں پہنچکر جنتی کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّۃِ حَیْثُ نَشَآءُ	اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں سہیں۔

(سورہ زمر آخری آیات)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاں مطلقاً استقرار ممکن ہو اور آدمی وہاں ٹھہر سکے اس کو زمین کہتے ہیں۔

زمینوں کی صحیح تعداد

زمین کی اس تعریف کے لحاظ سے تمام کائنات میں جتنے بھی کرے ہیں خواہ وہ آباد ہوں یا غیر آباد ہوں سب پر زمین کا اطلاق ہو سکتا ہے اور اس صورت میں زمینوں کی تعداد کروڑوں بلکہ اربوں سے بھی متجاوز ہو جائے گی لیکن پھر قرآن کریم میں جو سات کا لفظ بولا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہوگا؟ اس کا جواب علامہ آلوسی یہ دیتے ہیں کہ

اما الاقتصار علی العدد المذکور الذی ھو عدد تام لا یستدعی نفی الزائد فقد صرحوا بان العدد لا مفھوم لہ (روح)[1]	مذکورہ عدد پر جو کہ ایک کامل عدد ہے اکتفا کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے زائد کی نفی ہو گئی کیونکہ اہل علم نے صراحتہً یہ لکھا ہے کہ اعداد کا مفہوم مخالف نہیں جلتا

یعنی جو تعداد بیان کی جاتی ہے اس سے زائد کی نفی مقصود نہیں ہوا کرتی۔ اسی طرح

---

[1] روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۴۵۔

علامہ طنطاوی جوہری فرماتے ہیں:

ھذا العدد لیس یقتضی الحصر فاذا قلت عندی جوادان ترکب علیھما انت واخوک فلیس یمنع ان یکون عندک الف جواد[۳]

اس عدد سے حصر نہیں ثابت ہوتا کیونکہ مثال کے طور پر جب کسی سے آپ یہ کہیں کہ میرے پاس دو گھوڑے ہیں جن پر تم اور تمہارا بھائی سوار ہو سکتے ہیں تو اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ آپ کے پاس ہزار گھوڑے اور بھی موجود ہوں۔

آپ پیچھے ایک حدیث پڑھ چکے ہیں جس میں سات زمینیں ہونے کا ذکر ہے، حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اس کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "انکار میں تو تکذیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کھٹکا تھا اقرار میں تو کچھ اندیشہ ہی نہیں بلکہ سات زمینوں کی اگر لاکھ دو لاکھ اوپر نیچے اسی طرح اور زمینیں تسلیم کر لیں تو میں ذمہ کش ہوں کہ انکار سے زیادہ اس اقرار میں کچھ دِقّت نہ ہوگی، نہ کسی آیت کا تعارض نہ کسی حدیث سے معارضہ رہا اثرِ معلوم اس میں سات سے زیادہ کی نفی نہیں[۱]" علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔

ویمکن ان تکون الارضون وکذا السموات اکثر من سبع[۲]

ممکن یہ بھی ہے کہ زمینیں اور اسی طرح آسمان بھی سات سے زیادہ ہوں۔

---

[۱] تحذیر الناس ص ۲۴ (مطبوعہ راشد کمپنی دیوبند) [۲] روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۲۵
[۳] تفسیر الجواہر جلد ۲۴ ص ۱۹۰

نیز علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ "جو شخص خدا کی وسعتِ قدرت کو مانتا ہے وہ صرف سات پر اکتفا نہ کرے گا بلکہ جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اس سے بھی زیادہ تسلیم کر سکتا ہے، تاہم یہ مسئلہ چونکہ ضروریات دین اور عقائد کا نہیں ہے اس لئے اس کا منکر کافر نہیں ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی صاف بات کا کوئی شخص سوائے جہالت کے انکار کرے گا یہ بات تو خدا کی قدرت اور عظمت کے اور زیادہ لائق اور قرینِ قیاس ہے[1]"

علامہ طنطاوی فرماتے ہیں کہ "ماہرینِ فلکیات نے پتہ چلایا ہے کہ ان بڑے بڑے سورجوں کے گرد جنھیں ہم ستارے کہتے ہیں گھومنے والی زمینوں کی تعداد تین سو ملین (یعنی تینتس[۳] کروڑ) سے کم نہیں ہے[3]" مشہور انگریزی اخبار اسٹیٹسمین ۱۲ر اگست سنہ ۱۹۶۹ء نے لکھا ہے "ایک ہماری اسی کہکشاں میں ستاروں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ملین ہے اور اور کہکشائیں بھی فلکیات کے علم میں تنو[۱۰۰] ملین کی تعداد میں ہیں[2]" علامہ طنطاوی نے لکھا ہے کہ "ان لوگوں کا یہ قول (یعنی تین سو ملین ستاروں کا قول) محض ایک اٹکل اور ایک اندازہ ہے ان میں سے کسی کو بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس نے جو کچھ کہا ہے وہ اس کی دیکھی ہوئی اور یقینی بات ہے ہاں البتہ علماءِ ارواح اس سلسلہ میں یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک

۱؎ روح ج ۲۸ ص ۱۳۵، ۲؎ یہ تو کل وہ ستارے ہوئے جو اب تک ہماری رصدگاہوں کی گرفت میں آچکے ہیں اور جو ان کے باہر ہیں ان کی تعداد کے لئے تو یقیناً ہمارے اعداد اور ہندسے بھی کافی نہ ہوں گے۔ (صدق جدید ۲۲ر اگست سنہ ۱۹۶۹ء)

۳؎ تفسیر الجواہر جلد ۲۴ ص ۱۹۰۔

لامحدود ستارے ایسے ہیں جن میں آبادی ہے اور وہاں کے باشندوں کے مقابلہ میں تم ایسے ہو جیسے تمہارے مقابلہ میں چیونٹی[۱]"

علامہ آلوسی ایک جگہ لکھتے ہیں " وہ زمینیں سات ہیں اور ہر دو زمینوں کے درمیان بہت بہت فاصلے ہیں اور ہر زمین میں خدا کی مخلوق آباد ہے جن کی حقیقت سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور ان کے یہاں ان کی اپنی الگ روشنی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان کے دن اور رات بھی الگ ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اسی سورج اور چاند سے روشنی پاتے ہوں اور اکثر اہل سائنس کا غالب گمان یہ ہے کہ یہ چاند بھی ہماری[۲] زمین کی طرح ایک مستقل عالم ہے اور یہ اہلِ سائنس مزید کوششوں میں لگے ہوئے ہیں تو اس لحاظ سے ممکن ہے ہماری مذکورہ زمینیں بھی اسی طرح ثابت ہو جائیں"

اس کے بعد خلا میں بے شمار سیاروں اور ستاروں کی گردش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " ہو سکتا ہے اسی طرح یہ زمینیں بھی دست قدرت میں آسمانوں کے درمیان موجود ہوں[۳]"

درمیانی مسافت رہی یہ بات کہ ان زمینوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے تو حدیث شریف میں جو پانسو برس کی مسافت

---

۱ تفسیر طنطاوی سورۂ طلاق صفحہ ۱۹/۲ ۲ یہ سطریں تیرھویں صدی ہجری میں علامہ سید محمود آلوسی (متوفی ۱۲۷۰ھ) کے قلم سے صادر ہو رہی ہیں۔

۳ روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۴۴

آئی ہے وہ دراصل تقریب فہم کے لئے ہے کوئی کلومیٹر یا فٹوں کا حساب بتانا مقصود نہیں ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم خمسمائة عام من باب التقريب للافهام[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پانسو برس کی مسافت فرمائی ہے وہ محض تقریب فہم کے طور پر ہے۔

کائنات اور زندگی

علماء اسلام کی تمام تصریحات کو دیکھنے کے بعد یہ بات تقریباً اجماعی نظر آتی ہے کہ اس ہماری زمین کے علاوہ دوسری زمینیں جن کا قرآن حکیم میں ذکر ہے ہم جیسی مخلوق سے آباد ہیں، ارشاد ربانی ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ۔ (الشوریٰ ۲۹)

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور جس قدر پھیلا رکھی ہے ان دونوں میں جاندار مخلوق اور وہ جب چاہے انھیں اکٹھا کر سکتا ہے۔

یہ آیت اس مضمون کی طرف کھلا اشارہ کر رہی ہے کہ زندگی صرف کرہ

---

[1] روح ج ۲۸ ص ۱۴۵

زمین ہی پر نہیں بلکہ دوسرے کرات و سیارات پر بھی زندگی ہے۔ اس آیت پر مفصل گفتگو سے پہلے مولانا شبیر احمد عثمانی کا ارشاد پڑھیے، فرماتے ہیں "آیت سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں پر بھی جانوروں کی قسم سے کوئی مخلوق پائی جاتی ہے[1]"، گو انسانی تحقیقات کی بنیاد پر صاف طور پر دوسری دنیاؤں کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر خدا کے کلام میں اس کا کھلا اشارہ موجود ہے، اور حدیثوں میں اس سلسلہ کی سب سے زیادہ مشہور یہ حدیث ہے جو آیت اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کی تفسیر میں وارد ہوئی ہے۔

عن ابن عباس قال سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوح وابراھیم کابراھیم وعیسیٰ کعیسیٰ ونبی کنبیکم۔

(اخرجہ ابن جریر وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ والبیہقی فی شعب الایمان وفی الاسماء والصفات[2])

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سات زمینیں ہیں ہر زمین میں تمہارے آدم علیہ السلام کی طرح کے آدم ہیں اور حضرت نوحؑ کی طرح کے نوح ہیں اور ابراہیم کی طرح کے ابراہیم اور عیسیٰ کی طرح کے عیسیٰ ہیں اور تمہارے نبی (یعنی خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح کے نبی ہیں۔

---

[1] فوائد تفسیریہ ص ۶۳۱، [2] دیکھیے روح المعانی ۲۸ ص ۱۴۲

اس حدیث کے مقام کی بحث

سب سے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ علماءِ حدیث کے نزدیک اس روایت کا کیا مقام اور کیا درجہ ہے چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مشہور مفسر علامہ ابن جریر طبری نے بطریق شعبہ عن عمرو بن مرۃ عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس نقل کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے"۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے مگر یہ شاذ ہے کیونکہ اس کے روایت کرنے میں ابی الضحیٰ کا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی احادیثِ شرحِ مواقف کی تخریج میں لکھتے ہیں کہ حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے، علامہ بدرالدین شبلی حنفی اپنی کتاب "آکام المرجان فی احکام الجان" میں اس حدیث کو حاکم سے بالسند نقل کرنے کے بعد امام ذہبی کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے پھر اس کے ہم معنی ایک مختصر حدیث حاکم ہی کے حوالہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کے شرائط پر پوری اترتی ہے[1]۔ مولانا عبدالحی لکھنوی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح السند یعنی اور معتبر ہے اور ارباب تحقیق نے اس کی توثیق کی ہے[2]۔ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ حدیث مذکور محققینِ محدثین کے نزدیک معتمد ہے حاکم نے اس کے حق میں صحیح الاسناد کہا ہے اور ذہبی نے حسن الاسناد

---

[1] یہ تمام حوالے مجموعۃ الفتاوی ج ا ص ۳ تا ص ۵ و حاشیہ جلالین ص ۴۶۳ سے ماخوذ ہیں۔

[2] ج ا ص ۳

کا حکم دیا اور اس حدیث کے ثبوت میں کوئی علت قادحہ نہیں ہے[1]" حضرت تھانوی
مذکورہ علما میں سے کئی حضرات کی توثیق و تصحیح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ
بعض نے اس کو موضوع کہا ہے[2]. حافظ ابن کثیر کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث اگر
حضرت ابن عباس سے ثابت ہو جائے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ حدیث انھوں
نے اسرائیلی[ع] روایات سے لی ہے[3]، لیکن ہماری نظر میں اس حدیث کے بعض خاص گوشوں
پر بالخصوص اس کے مقام کے بارے میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا عبدالحی
لکھنوی سے زیادہ تفصیلی کلام کسی نے نہیں کیا ہے، بات اگرچہ طویل ہوئی جاتی ہے
لیکن چونکہ اس حدیث کے ثبوت ہی پر اگلی تمام عمارت کی بنیاد ہے اس لئے مختصراً
حضرت نانوتوی کا کلام بھی لکھا جاتا ہے، فرماتے ہیں " ایسے آثار کا انکار خصوصاً
جب کہ اشاراتِ کلام ربانی بھی اس طرف ہوں خالی ابتداع[4] سے نہیں، ایسی باتوں
کا منکر پورا اہل سنت و جماعت تو نہیں کیونکہ ائمہ حدیث نے اس کی تصحیح کی ہے
اور جس نے اس کو شاذ کہا ہے جیسے امام بیہقی تو انھوں نے صحیح کہہ کر شاذ کہا ہے
اور اس طرح سے شاذ کہنا مطاعن حدیث میں سے نہیں سمجھا جاتا ہے[5]." اس کے
بعد اپنے اس آخری جملے کی تائید میں فن اصول حدیث کی بعض عبارتیں نقل کرنے
کے بعد تحریر فرماتے ہیں " اثر مذکور مثبت خاتمیت ہے، معارض و مخالف

---

[1] ایضاً صہ ٢٣، [2] بیان القرآن تفسیر سورۃ طلاق، [3] حاشیہ تفسیر جلالین صہ ٤٦٣، [4] منقول عنہ
میں اسی طرح ہے یہ غالباً ابتداع ہوگا واللہ اعلم، [5] تحذیر الناس صہ ٢٣، [ع] مولانا عبدالحی لکھنوی
زجر الناس میں لکھتے ہیں۔ احتمال کون الاثر الذی نحن فیہ ماخوذا من الاسرائیلیات لم یبدہ احد فیما
نعلم اولا ابن کثیر وتبعہ من تبعہ وھو مجرد احتمال من عند نفسہ من دون استناد الی ما یحققہ و
نردہ النصوص الواضحة والبراهين الساطعة۔

خاتم النبیین نہیں جو یوں کہا جائے کہ یہ اثر شاذ بمعنی مخالفِ روایتِ ثقات ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ حسبِ مزعوم منکران اثر اس اثر میں کوئی علتِ غامضہ بھی نہیں جو اسی راہ سے انکارِ صحت کیجئے، کیونکہ اول تو امام بیہقی کا اس کی نسبت صحیح کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کوئی علت غامضہ خفیہ قادحہ فی الصحتہ نہیں دوسرے شذوذ تھا تو یہی تھا کہ مخالف جملہ خاتم النبیین ہے اور علت تھی تب یہی تھی، اگر اور کوئی آیت یا حدیث ایسی ہوتی جس میں سات سے کم زمینوں کا ہونا یا انبیاء کا کم و بیش ہونا یا نہ ہونا ثابت ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ وجہ شذوذ یہ ہے مگر آج تک نہ کسی نے ایسی آیت و حدیث سنی نہ مدعیوں نے پیش کی۔[۱] اس کے بعد جن لوگوں نے اس کو اسرائیلیات سے ماخوذ بتایا ہے یا انبیاء سے مراد کچھ اور بتائی ہے ان کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ تاویل کہ یہ اثر اسرائیلیات سے ماخوذ ہے یا انبیاء اراضیِ ماتحت سے مبلغان احکام مراد ہیں ہرگز قابل التفات نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ باعثِ تاویلات مذکورہ فقط یہی مخالفت خاتمیت تھی جب مخالفت ہی نہیں تو ایسی تاویلیں کیوں کیجئے جن کو مدلولِ معنی مطابقی سے کچھ علاقہ ہی نہیں۔"[۲]

علامہ مفتی محمود آلوسی اپنی مایہ ناز تفسیر روح المعانی میں فرماتے کہ "اقول لا مانع عقلا و لا شرعا من صحتہ[۳] اس حدیث کی صحت میں نہ کوئی عقلی رکاوٹ ہے اور نہ شرعی"۔

---

۱ ، ۲ تحذیر ص ۲۵ ، ۳ روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۴۳

پھر اس کے وقف ورفع سے بحث کرتے ہوئے حضرت نانوتویؒ لکھتے ہیں:
"یہ اثر اگرچہ بظاہر موقوف ہے مگر بالمعنی مرفوع ہے اس لئے کہ صحابی کا بطور جزم ان امور کا بیان کرنا جن میں عقل کو دخل نہ ہو اہل حدیث کے نزدیک مرفوع ہوتا ہے"[۱]

آبادی کا ثبوت

یہ حدیث[۲] ثابت ہوجانے کے بعد گویا ستاروں کی دنیا ہمارے لئے روشن ہوگئی ہے اور کائنات کے ایک بہت بڑے حصے سے ہمیں واقفیت حاصل ہوگئی، اس لئے کہ کسی مخلوق میں انبیاء کرام کے آنے کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ انسانوں کی طرح کی کوئی عقل وشعور رکھنے والی مخلوق ہے، ظاہر ہے کہ انسانوں کے علاوہ عام حیوانات کی قسم کی مخلوق میں انبیاء کے آنے کا کوئی مطلب ہی نہیں چنانچہ علماء کرام نے غالباً اسی وجہ سے اس کو کہیں مستقل طور پر ثابت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی لیکن ان کی عبارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ امر ایک طے شدہ چیز ہے، علامہ شہاب الدین خفاجی کا قول آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ :-

---

[۱] تحذیر ص ۲۶ ، [۲] اس حدیث کے طرق و اسانید اور معانی و مفاہیم پر بے نظیر کلام اور عقلاً و نقلاً ہر طرح تسلی بخش بحث دیکھنے کے لئے علامہ عبدالحی لکھنوی کے رسالہ زجر الناس علی انکار اثر ابن عباس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ پورے رسالہ کا خلاصہ چند الفاظ میں یہ ہے کہ یہ حدیث بلاشبہ ثابت و قابل عمل ہے اور ہماری زمین کے علاوہ دوسرے طبقات میں صاحب عقل وشعور آبادی موجود ہے اور اس بات میں شک و شبہ کرنا بہت سی روایات ثابتہ کے انکار کے مرادف ہے۔ رسالہ کے اخیر میں لکھتے ہیں۔
"ان اثر ابن عباس مما لا غبار علیہ لا سنداً ولا متناً ولا مبنی ولا معنی"

الذی نعتقدہ ان الارض سبع کالسموات ولہا سکان من خلقہ یعلمہم اللہ[۱]

ہمارا جو عقیدہ ہے وہ یہی ہے کہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں اور ان میں خدا کی مخلوق آباد ہے جن کا علم صرف خدا ہی کو ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی کے کلام کو دیکھئے۔ بغیر کسی لاگ لپیٹ کے کیسا صاف صاف لکھتے ہیں کہ "جس طرح سلسلۂ نبوت اس طبقہ میں واسطے ہدایت یہاں کے سکان کے تیار ہوا اسی طرح سے ہر ہر طبقے میں سلسلہ نبوت کا واسطے ہدایت وہاں کے سکان کے تیار ہوا[۲]" ایک جگہ لکھتے ہیں "سمجھنا چاہیئے کہ زمین کے سات طبقات جداگانہ ہونا اور اس میں مخلوقات الہٰی کا موجود ہونا چند احادیث سے ثابت ہے اور مذہب محققین کا یہی ہے[۳]"

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مسلسل عبارت کے دوران لکھتے ہیں "تو یہ بھی یقینی سمجھنا چاہیئے کہ جیسے ساتوں آسمانوں میں آبادی ہے ایسے ہی ساتوں زمینیں بھی آباد ہوں گی[۴]" صاحب روح المعانی اہل سائنس کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وبعید من الحکمۃ ان یعمر

یہ بات حکمت خداوندی سے بعید ہے کہ

۱؎ مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۶ وزجر الناس ص ۹ ۲؎ مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۳ ، دافع الوسواس فی اثر ابن عباس لمولانا عبدالحی لکھنوی ص ۳ ، ۳؎ مجموعۃ ص ۲ ، ۴؎ تحذیر الناس ص ۱۵ مختصرا۔

اللہ تعالیٰ الارض بالخلق علی صغو هاو یترک اجساما عظیمۃ اکثرها اعظم من الارض خالیۃ بلاخلق علی کبرها[1]

وہ زمین کو تو مخلوق سے آباد کردے جو کہ بہت چھوٹی ہے اور ان عظیم عظیم کرات کو خالی چھوڑ دے جن میں سے اکثر زمین سے بہت بہت بڑے ہیں۔

شیخ سلیمان جمل لکھتے ہیں:

اما الارضون فقال الجمھور انھا سبع ارضین طباقا بعضھا فوق بعض بین کل ارض وارض مسافۃ کما بین السماء والارض وفی کل ارض سکان من خلق اللہ[2]

زمینوں کے بارے میں جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ وہ لگاتار اوپر تلے سات ہیں اور ہر دو زمینوں کے درمیان زمین و آسمان کی سی مسافت ہے اور ہر زمین میں خدا کی مخلوق بستی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس نے تو بالکل صاف لفظوں میں زمین کے باشندوں کی طرح کی آبادی بیان کی ہے فرماتے ہیں:-

فی کل ارض مثل ابراھیم و نحو ما علی الارض[3]

ہر زمین میں حضرت ابراہیم جیسے (نبی) ہیں اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کی طرح

---

[1] روح المعانی جلد ۱۵ ص ۲۷

[2] الفتوحات الالٰہیۃ المعروف بحاشیہ الجمل علی الجلالین ص ۳۶۳

[3] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۸۵

. . . . سب کچھ وہاں ہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے خدا جانے کیا سوچ کر کہا تھا ؎

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قرآن کریم کی اس آیت کو مع تشریحات کے پھر ایک بار ملاحظہ فرمائیے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ (شوریٰ ۲۹)

اور منجملہ اس کی قدرت) کی نشانیوں کے پیدا کرنا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان جانداروں کا جو اس نے آسمان اور زمین میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ ان کو جمع کرنے پر جب چاہے قادر ہے۔

اس آیت میں سماء، کا جو لفظ آیا ہے سب سے پہلے عربی لغت سے اس کا اصل مفہوم سمجھنے کی ضرورت ہے، اس لفظ کے مختلف استعمالات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے یہاں لفظ "سماء" سے مطلقاً فضائے آسمانی یا مطلقاً اوپر کی جہت مراد لیتے ہیں، عرب کا مشہور مقولہ ہے کل ما علاک فھو سماء[1] یعنی جو چیز بھی تم سے اوپر ہے وہ سماء ہے، عرب کا شاعر کہتا ہے ؎

اذا انزل السماء بارض قوم

یہاں بارش کے معنی ہیں۔ اور خود قرآن کریم میں بھی سماء مطلقاً اوپر کی جہت کے لئے متعدد جگہ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورۂ حج کی آیت فَلْيَمْدُدْ

---

[1] دیکھئے کتب لغت۔

یتسبب الی السماء (سورۂ حج ۵) میں سماء کی تفسیر عام مفسرین نے چھت سے کی ہے اسی طرح سورۂ الفرقان کی آیت ہے:-

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاک کرنے والا۔ (الفرقان ۴۸)

اسی طرح اس کے ہم معنی آیت سورۂ بقرہ میں ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً (آیت ۲۲) ان آیتوں میں تمام مفسرین آسمان سے مراد بادل لیتے ہیں — اور یہ کچھ عربی ہی کی خصوصیت نہیں اردو میں بھی آسمان جو لفظ "سماء" کا ترجمہ ہے مطلق فضا کے لئے کثرت سے استعمال ہوتا ہے، اقبالؒ کہتے ہیں ؎

بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو

انھیں کا ایک دوسرا شعر ہے ؎

وہ ساتھ سب کے اڑنا وہ سیر آسماں کی
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا مل کے گانا

لہٰذا اگر مطلق اوپر کی جہت مراد لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زمین میں اور زمین سے دور فضا میں بہت سے جاندار پھیلا رکھے ہیں اس صورت میں زمین اور آسمان کے درمیان فضا میں بکھرے ہوئے کروڑوں اور اربوں ستاروں میں سے نہ معلوم کتنوں میں آبادی ثابت ہو جاتی ہے، ظاہر ہے کہ کروڑوں کرے جن میں سے بہت سے ہماری زمین سے بھی لاکھوں گنا[1] بڑے بڑے ہیں کیا فضا میں یوں ہی

---

[1] ستاروں میں سب سے چھوٹا ستارہ سورج ہے جو زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔

بیکار چکر لگا رہے ہوں گے، لیکن ابھی ان دنیاؤں کے رازہائے سربستہ معلوم کرنے کے لئے خدا معلوم کتنی صدیاں چاہئیں اور تب کہیں جا کے معلوم ہوگا کہ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا (سورۂ ص ۲۷)

ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے بیکار نہیں پیدا کیا ہے۔

اس آیت میں ومن ایاتہ الخ کے ظاہر سے جو خلا میں جاندار مخلوق کا ہونا ظاہر ہوتا ہے اس کا جواب بہت سے مفسرین نے یہ دیا ہے کہ زمین و آسمان سے مراد ان دونوں کا مجموعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مجموعہ میں سے کسی ایک فرد میں ہونا مجموعہ میں ہونے کے لئے کافی ہے ــ ظاہر ہے کہ جواب تو ہو گیا لیکن ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ یہ جواب کیوں دینا پڑا تھا، اس لئے کہ اس وقت خلا میں آبادی کا کوئی تصور نہیں تھا اور موجودہ مادی علوم کے نہ ہونے کی وجہ سے ذہنوں میں اتنی بھی وسعت نہیں تھی کہ اس کا کم از کم امکان بھی تسلیم کیا جا سکے اس لئے ہر اس چیز کو جو اس وقت کے مروّج خیالات سے ٹکراتی ہو وقت کے مطابق بنانا ہی دانشمندی تصور کیا جا سکتا تھا، لیکن آج کے ترقی یافتہ دور میں جب کہ انسان نہایت اعلیٰ دوربینوں اور سائنسی آلات کی مدد سے خلا میں آبادی کے امکان سے متوحش نہیں رہا ہے بلکہ روز بروز اس کا امکان بڑھتا ہی جا رہا ہے کیا وجہ ہے کہ قرآنی الفاظ کے ظاہری اور واضح معنی چھوڑ کر بعید تاویل اختیار کی جائے۔ علامہ آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی نے علماء کی تاویل مذکور کا تفصیل سے رد کیا ہے اور اس کو خلاف

ظاہر قرار دیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:

بل لا یبعد ان یکون فی کل	بلکہ یہ بھی بعید نہیں کہ ہر آسمان میں
سماء حیوانات ومخلوقات علیٰ	مختلف شکلوں اور مختلف احوال کی
صور شتی واحوال مختلفۃ لا	مخلوقات وحیوانات ہوں جنھیں ہم
نعلمھا ولم یذکر فی الا	نہیں جانتے اور روایات میں بھی ان
خبار شئ منھا فقد قال	کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بس اتنا
تعالیٰ ویخلق ما لا تعلمون	فرما دیا ہے کہ "اور وہ (خدا) پیدا کرتا
(جلد ۲۵ صہ ۳۶)	(رہتا) ہے وہ چیزیں جنھیں تم نہیں جانتے"

اور عام علماء تفسیر کی مذکورہ تاویل کا رد کرنے ہی کے دوران لکھتے ہیں:

ولا یعدل عن الظاھر الا اذا	الفاظ کے ظاہر کو اسی وقت نظر انداز
دل دلیل علی خلافہ واین ذلک	کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کے خلاف
الدلیل بل ھو قائم علی وجود	کوئی دلیل موجود ہو اور یہاں الفاظ کے
الدواب فی السماء کما ھی موجودۃ	خلاف تو کیا خود اس بات پر دلیل
فی الارض	موجود ہے کہ زمین کی طرح آسمان میں
(روح ج ۲۵ صہ ۳۷)	جاندار مخلوق ہے۔

قرآن کریم کے الفاظ کا اگر خالی الذہن ہو کر صحیح مفہوم دیکھا جائے تو خلا میں آبادی کا اشارہ اس میں صاف موجود ہے چنانچہ زمانہ کے خیالات اور یونانی فلسفہ کے اثرات سے پاک رہ کر خالص الفاظ قرآنی کی بنیاد پر جو بات کہی گئی ہے وہ یہی ہے کہ خلا میں آبادی ہے، پہلی صدی ہجری کے مشہور

مفسر و تابعی مجاہد (متوفی سنہ ۱۰۱ھ) کا قول یہی ہے، روح المعانی میں ہے

وظاهر الآية وجود ذلك في السموات والارض وبه قال مجاهد وفسر الدابة بالناس والملائكة [1]

آیت کے ظاہر سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ دابہ کا وجود آسمانوں میں بھی ہے اور زمین پر بھی اور مجاہد کا قول یہی ہے۔ اور وہ دابہ کی تفسیر انسانوں اور فرشتوں سے کرتے ہیں

مجاہد کے علاوہ دوسرے مفسرین نے اگرچہ اس کے دوسرے معنی بیان کر دیئے ہیں مگر قرآن مجید کے بالکل صاف اور صریح الفاظ سے یکسر رخ پھیر لینا اور اس کی صرف ایک تاویل پر اکتفا کر لینا ان کے بھی بس کی بات نہ تھی اس لئے ان میں سے اکثر نے آسمانوں میں آبادی کا امکان بھی اخیر میں ضرور تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے مشہور مفسر علامہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

ولا يبعد ان يخلق في السموات حيوانا يمشي فيها مشي الاناسي على الارض (کشاف [2])

اور کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں بھی ایسے جانور پیدا کر دیئے ہوں جو وہاں اسی طرح چلتے ہوں جس طرح زمین پر انسان چلتے پھرتے ہیں۔

اور اس کے بعد علامہ زمخشری نے خدا کی حمد و ثنا کرتے ہو مندرجہ ذیل الفاظ لکھے ہیں:

---

[1] روح ص ۳۶ / ۲۵، [2] ج ۲ ص ۳۴۱ (مصری)

سبحٰن الذی خلق ما نعلم و ما لا نعلم من اصناف الخلق (کشاف[1])	پاک ہے وہ ذات جس نے ایسی مخلوقات پیدا کی ہیں جنھیں ہم جانتے ہیں اور ایسی بھی جنھیں ہم جانتے بھی نہیں۔

اور امام رازی، علامہ نسفی صاحبِ تفسیر مدارک، ابن حیان صاحبِ بحر محیط اور شیخ ابو السعود اور خازن وغیرہ بہت سے مفسرین نے یہی بات تقریباً ان ہی الفاظ میں اپنی اپنی تفاسیر میں لکھی ہے اور ان تفاسیر کا جو مقام ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

دَابَّۃ

اس آیت میں جو لفظ دابۃ ہے یہ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، یہ لفظ دَبَّ یَدِبُّ سے مشتق ہے جس کے معنی زمین پر چلنے کے ہیں اس لحاظ سے دابۃ کے معنی ہوئے زمین پر ہر چلنے والا، چنانچہ تاج العروس، لسان العرب اور مختار الصحاح وغیرہ میں ہے:

کل ماش علی الارض دابۃ	زمین پر ہر چلنے والا دابہ ہے۔

پھر چند آیات قرآنی کے حوالہ کے بعد لکھتے ہیں:

والمعنی کل نفس دابۃ وقیل من دابۃ من الانس والجن وکل ما یعقل وقیل انما اراد العموم۔ (تاج۔ لسان)	مراد یہ ہے کہ ہر نفس دابہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دابہ ہر جن وانس اور صاحبِ عقل مخلوق ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ اس سے عموم مراد ہے۔

---

[1] ج ۲ صفحہ ۳۴۲ (مصری)

مختار الصحاح میں ہے

وقولهم اكذب من دبّ و درج ای اكذب الاحياء و الاموات	کہتے ہیں "اکذب من دب ودرج وہ شخص تمام زندوں اور مردوں سے زیادہ جھوٹا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر زندہ پر دابہ کا اطلاق ہوتا ہے اور اس مقولہ میں تو خاص طور پر انسانوں ہی پر دابہ کا اطلاق ہوا ہے کیونکہ جھوٹ یا سچ کا تعلق سوائے انسان کے اور کس سے ہو سکتا ہے، خود قرآن کریم میں جو لفظ "دابۃ" کی تشریح کی گئی ہے اس میں وضاحت کے ساتھ انسان کو داخل کیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

اَللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ (النور - ۴۵)	اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والے کو ایک پانی سے پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ کے بل (جیسے سانپ اور مچھلی) اور کوئی ہے چلتا دو پاؤں پر (جیسے انسان اور پرندے) اور کوئی کہ چلتا ہے چار پیروں پر (جیسے گائے بھینس)

علامہ عبدالحی لکھنوی نے حضرت ابن عباس کی حدیث مذکورہ پر مستقل دو رسالے لکھے ہیں ایک "دافع الوسواس فی اثر ابن عباس" دوسرا "زجر الناس علی انکار اثر ابن عباس" اس دوسرے رسالہ میں علامہ موصوف نے عقلی و نقلی دلائل تفصیل سے لکھنے کے بعد لکھا ہے:۔

والحق الحقیق فی هذا الباب	اس سلسلہ میں سب سے زیادہ صحیح

القریب الی الصواب ان یقال لا شبہۃ فی وجود المخلوقات فی جمیع الطبقات بشہادۃ الروایات واما تعینہا وانہا من ای صنف وعلیٰ ای شکل وعلیٰ ای صورۃ فیفوض ذلک الی علم اللہ تعالیٰ۔	اور حقانیت سے سب سے زیادہ قریب یہ قول ہے کہ تمام طبقات میں بلاشبہ مخلوقات موجود ہیں جیسا کہ روایات اس پر شاہد ہیں، رہا ان کی اقسام اور شکل وصورت کا تعین تو اس کا علم خدائے تعالیٰ ہی کو ہے۔

دوسرے طبقات کے باشندے اور وحی الہٰی

پیچھے آپ یہ آیت پڑھ چکے ہیں اب ذرا اسی کے آخری حصہ کو غور سے دیکھئے۔

اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن۔ (سورہ طلاق ۱۲)	اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمینیں بھی اتنی، اترتا ہے حکم ان کے بیچ[1]

تفسیر جلالین میں ہے:

یتنزل الامر الوحی بینھن بین السموات والارض ینزل بہ جبرئیل من السماء السابعۃ	اللہ کے احکام نازل ہوتے ہیں یعنی وحی آتی ہے ان سب میں یعنی آسمانوں اور زمین کے اندر، جبرئیل علیہ السلام ساتویں

---

[1] ترجمہ از مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ

الی الارض السابعۃ[1] آسمان سے وحی لے کر ساتویں زمین تک پہنچتے ہیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں: "معلوم کرنا چاہیئے کہ جملہ طبقات باقیہ میں انبیاء کا ہونا ثابت ہے چنانچہ حدیث مذکور کہ صحیح ہے دلالت کرتی ہے اور قرآن پاک میں ہے ولکل قوم ھاد یعنی ہر قوم کے واسطے ہادی مبعوث ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم کے واسطے ایک راہنما مقرر ہوا ہے پس ہرگاہ طبقاتِ باقیہ میں وجود مخلوقات الٰہی کا ثابت ہے اور کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی مہمل نہیں چھوڑی گئی لابد ہے کہ وہاں بھی راہنما ہوں گے اور علامہ جلال الدین محلی کی تفسیر سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت جبریل طبقات باقیہ میں وحی لے جاتے تھے[2]" اس کے بعد علامہ لکھنوی نے جلالین کی مذکورہ عبارت بھی نقل کی ہے "بعض علماء نے کہا ہے کہ اس تفسیر میں علامہ محلیؔ منفرد ہیں کہ حضرت جبرئیل ساتویں آسمان سے وحی لے کر ساتویں زمین تک پہنچتے ہیں راقم سطور کہتا ہے کہ اول تو یہ خیال خود غلط ہے کہ جو تفسیر کسی ایک مفسر نے کی ہو خواہ وہ اصول کے لحاظ سے صحیح ہو اور الفاظ قرآنی اس کا ساتھ دے رہے ہوں لیکن وہ اس وقت تک قابل اعتبار نہ ہو جب تک دو چار مفسرین اور اس بات کو نہ کہیں۔ دوسرے یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ محلیؔ اس سلسلہ میں منفرد ہیں بلکہ ان سے

---

[1] جلالین ص ۴۶۴ ، [2] مجموعۃ الفتاویٰ ص ۹

پہلے مشہور مفسر امام بغوی صاحب معالم التنزیل اور علامہ علاؤ الدین علی الخازن یہی تفسیر کر چکے ہیں[1]، ان کے الفاظ ہیں:

(یتنزل الامر بینھن) ای الوحی الی خلقہ من السماء العلیا الی الارض السفلی[2]	اترتا ہے خدا کا حکم ان میں یعنی وحی نازل ہوتی ہے خدا کی مخلوق کی طرف سب سے اوپر کے آسمان سے سب سے نیچے کی زمین تک۔

اور ان سے بھی بہت پہلے تبع تابعین میں مشہور مفسر مقاتل یہی کہہ چکے ہیں اور علامہ قرطبی نے بغیر کسی نکیر کے ان کا قول نقل کر دیا ہے، فرماتے ہیں

والامر ھنا الوحی فی قول مقاتل وغیرہ[3]۔	اور امر سے مراد یہاں پر مقاتل اور دوسرے مفسرین کے قول کے مطابق وحی ہے۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گذشتہ روایت کو نقل کرنے کے بعد پھر اس آیت کے آخری جملے یتنزل الامر کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں" لفظ یتنزل کے اگر یہ معنی کئے جائیں کہ نزول امر و نواہی اور نزول وحی ہوتا ہے اور اثر مذکور کو اس کی شرح کہی جائے تو بایں وجہ کہ بالمعنی مرفوع ہے اور باعتبار سند صحیح تو بے شک

---

[1] علامہ قسطلانی نے بھی شرح بخاری میں یہی تفسیر کی ہے دافع الوسواس ص ۴۲

[2] تفسیر خازن ص ۳۰۳ والمعالم ص ۹۱۷ سورۃ الطلاق

[3] تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۱۷۶۔

تسلیم ہی کرنا پڑے گا[1]" مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

والظاھر من الوحی ھو وحی الاحکام لاسیما اذا اسند الی جبرئیل وان استعمل فی غیرہ (ایضاً[2])

لفظ وحی اگرچہ دوسرے معنی میں بھی آتا ہے لیکن یہاں پر ظاہر یہی ہے کہ وحی احکام مراد لیجائے بالخصوص جبکہ وحی کی نسبت حضرت جبرئیل علیہ السلام کیطرف کیگئی (جنکا اصل کام پیغام الٰہی پہونچانا ہے)

الغرض یہ بات پوری طرح ثابت ہوگئی کہ وہاں کے باشندوں کے لئے باقاعدہ احکام الٰہی نازل ہوتے ہیں اور ہماری اس زمین کی طرح وہاں بھی وحی کا نزول ہوتا ہے۔

ان زمینوں کے نام اور ان کے باشندوں کے حالات

علامہ ثعلبی نے عرائس میں اور فاضل محمد بن احمد حنفی نے بدائع الدہور میں اور دیگر بعض علماء نے ان زمینوں کے نام اور زمینوں میں جو کچھ ہے اس کی تفصیل اور وہاں کے باشندوں کے حالات شکل وصورت اور وہاں کی قوموں کے نام اور بہت سی دوسری تفصیلات[3] بھی لکھی ہیں جن میں سے بعض چیزیں حدیثوں کے حوالے کے ساتھ بھی ہیں لیکن چونکہ اس سلسلہ کی کوئی بات بھی یونہی اٹکل پچو اور بلا تحقیق نہیں کہی جاسکتی اور ان حضرات کی بیان کردہ احادیث کی سند کا حال بھی ہم کو معلوم نہیں اس لئے

---

[1] تحذیر الناس ص ۳۳، [2] زجر الناس ص ۱۲، بدافع الوسواس ص ۸، [3] دیکھئے مجموعۃ الفتاویٰ جلد اول کتاب العقائد وحاشیہ الجمل ج ۳ ص ۱۲۶ سورۃ الانبیاء

اس قسم کی تمام چیزوں کو قلم انداز کیا جاتا ہے، خدا کو منظور ہوا تو انشاء اللہ ان سب چیزوں سے عنقریب پردہ اٹھنے والا ہے اور یہ خلیفۃ اللہ نہ معلوم کتنی نئی نئی دنیاؤں میں اپنا پھریرا اڑانے والا ہے ؎

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مادی انکشافات میں سے کیا کیا کچھ انسانوں کے سامنے آنے والا ہے اور بقول علامہ مناظر احسن گیلانیؒ "کسی کو کیا معلوم کہ اولاد آدم آئندہ چل کر کن کن چیزوں پر سر دھننے والی ہے و علم آدم الاسماء کلھا کی تاویل و تصدیق کے لئے ابھی ہم کو بہت کچھ دیکھنا ہے کیونکہ اس قضیہ کو کلیہ ہونا ہے اور ہو کر رہے گا۔"[1]

تفصیلات نہ بتانے کا راز

قرآن کریم کا ایک عام اصول یہ ہے کہ وہ تفصیلات خواہ وہ کسی بھی چیز کی ہوں بہت کم بیان کرتا ہے، یہ تو یہ خود احکام شرعیہ جو کہ اس کے مقصد میں داخل ہیں تفصیلات ان کی بھی کہیں شاذ و نادر ہی ملیں گی اس لئے ظاہر ہے کہ ان زمینوں کے حالات، وہاں کے باشندوں کے تذکرے قرآن حکیم میں کیسے آسکتے تھے، البتہ حدیث نبوی کا یہ کام ہے کہ وہ دینی معاملات کی تفصیلات بیان کرے اور اس قسم کی چیزوں کا بیان بھی احادیث میں آسکتا

---

[1] کائنات روحانی از مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ

تھا لیکن آپ ذرا سوچئے کہ جو باتیں سن کر آج راکٹوں کے دور میں لوگ کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں اور جھٹلاتے ہیں وہ خبریں اگر آج سے چودہ سو برس پہلے لوگوں کو سُنائی جاتیں تو کیا حال ہوتا؟۔ اور کسے معلوم ــــ کہ بتائی بھی گئی ہوں مگر غلامانِ نبیؐ کی موقع شناسی نے اس وقت انھیں ان کے بیان کرنے سے روک دیا ہو چنانچہ ذرا غور سے دیکھئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

لو حدثتکم بتفسیرھا لکفرتم وکفرکم بتکذیبکم بھا (ابن کثیر۔ روح)[1]	اگر میں اس آیت کی تفسیر بیان کردوں تو تم کافر ہو جاؤ گے اور وجہ کافر ہونے کی یہ ہوگی کہ تم اس آیت کو جھٹلادوگے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شاید کسی شوقین نے حضرت ابن عباس کے اس فرمان کے بعد بھی معلوم کرنے پر اصرار کیا ہوگا چنانچہ حضرت ابن عباس نے جواب دیا کہ:

ما یومنك ان اخبرتك بھا فتکفر[2]	اگر میں تجھے بتادوں تو تجھے کافر ہونے سے کون سی چیز بچائے گی۔

ظاہر ہے کہ جو باتیں حضرت ابن عباس نے روک لیں وہ دینی ضروریات سے تعلق نہیں رکھتی ہوں گی ورنہ ان پر ایک دینی مسئلہ کے چھپانے کا الزام عائد ہوتا

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۸۵، روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۴۵، زجر الناس علی انکار اثر ابن عباس از مولانا عبدالحی لکھنوی ص ۳، [2] حوالہ بالا

ہے، لامحالہ وہ ان دنیاؤں کی تفصیلات ہی ہوں گی جن کو تکوینی نظام کے تحت ممکن ہے اس لئے چھپالیا گیا ہو کہ کیوں اس وقت بیان کر کے لوگوں کو ابتلاء میں ڈالا جائے چودہ سو برس بعد انسان خود ہی ان چیزوں سے مانوس ہو جائے گا اور کسی وقت بذات خود وہ ان چیزوں کو (اگر خدا کو منظور ہوا تو) دیکھ لے گا، لیکن حضرت ابن عباس رضؓ نے بھی چھپاتے چھپاتے سب کچھ کہہ ہی ڈالا۔

ع تو نے چھپ کر جو چھپانا تھا نمایاں کر دیا

دل تلملا کے رہ جاتا ہے کہ ہائے! جانے کیا کیا باتیں ہوں گی جنھیں زمانے کی نامساعدت کی وجہ سے ابن عباس سینے ہی میں لے گئے، کاش آج اگر وہ ہوتے تو ہم اور آپ ان سے کائنات کی کیسی کیسی باتیں سنتے۔ لیکن ہوا اچھا ہی۔

غور کیجئے جب ساتوں زمینوں کا ہونا اور ہر ایک میں پیغمبروں کا سلسلہ ہونا وغیرہ بیان کر دیا تو اب جو باقی ہے وہ اس سے آگے ہی کی مزید تفصیلات ہو سکتی ہیں۔

کیا اس زمین کے باشندے کسی سیّارے تک نہیں پہنچ سکتے؟

گزشتہ صفحات میں خلائی پرواز کا امکان ثابت ہو چکا ہے جس میں اس زمین کی قوت کشش سے گذرنے وغیرہ کا امکان بھی ثابت ہو چکا ہے اور عقل و تجربہ کی رو سے کسی شئے کے دائرۂ کشش سے نکلنا جتنا مشکل ہے داخل ہونا اتنا مشکل نہیں کیونکہ داخل ہوتے وقت اس چیز کی کشش خود بخود اپنی طرف کھینچ لیگی لہٰذا جب یہ ثابت ہو چکا کہ زمین کے دائرۂ کشش سے نکلا جا سکتا ہے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی دوسرے کرے میں پہنچا بھی جا سکتا ہے چنانچہ اگر کوئی ان فضا میں چمکتے ستاروں تک چلا پہنچا ہو تو اس سے اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ اگر ان تمام ستاروں پر بھی یہ خاکی پتلا کمندیں ڈال دے تب بھی اسلام و قرآن کے اوپر اس سے کچھ اثر نہیں پڑتا بلکہ اس کی بیان کردہ حقیقتوں کی مزید تائید ہی ہوگی ہاں گر اثر پڑ سکتا ہے تو قدیم یونانی علم الافلاک اور ہیئت بطلیموسی پر پڑ سکتا ہے تو بلا سے پڑا کرے مسلمان کیوں واویلا کرتا اور پریشان ہوتا ہے ؎

خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

آج سے کئی سال پہلے مارچ ۱۹۶۰ء میں کسی صاحب نے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے دریافت کیا تھا کہ "راکٹ کا چاند تک پہنچنا قوانین شرعیہ کے خلاف تو نہیں؟ اور کیا شرعی حیثیت سے یہ ممکن ہے کہ کوئی مادی چیز چاند تک پہنچ سکے؟" مہتمم صاحب موصوف نے جو جواب تحریر فرمایا اور دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے حضرت مولانا

مفتی سید مہدی حسن صاحب مدظلہٗ اور مفتی جمیل الرحمن صاحب مرحوم وغیرہ کے دستخطوں کے ساتھ شائع ہوا ہم بلفظہٖ اس کو یہاں درج کرتے ہیں:

"روسی راکٹ اگر چاند تک پہنچ گیا ہے جیسا کہ اخبارات لکھ رہے ہیں تو یہ اصول شرعیہ کے خلاف نہیں آسمان کے نیچے نیچے زمین کی مخلوق اگر مادی وسائل سے کسی غیر معمولی بلندی پر پہنچ جائے تو شریعت اس میں مزاحم نہیں ہے شیاطین بنص حدیث آسمان تک پہنچ جاتے تھے جن پر بالآخر پہرہ چوکی لگا کر ان کا آسمانوں کے دروازوں کے پاس پہنچنا روک دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ پہنچ کسی روحانی طاقت پر مبنی نہ تھی بلکہ خالص مادی قوت کا اثر تھی اسی طرح اگر انسان بھی کسی مادی قوت کی لطافت سے چاند تک یا اس سے اوپر آسمان تک کی مسافت طے کرے تو یہ آسمان سے نیچے ہی نیچے کی بات ہے جو شرعاً ناممکن نہیں ہے، بلکہ انسان کا آسمانوں میں داخل ہونا بھی شرعاً امر محال نہیں مگر اس کے لئے پہلی شرط تو یہ ہے کہ اسے آسمانی عالم سے مناسبت ہو۔

ظاہر ہے کہ آسمانی عالم ملکیت کا جہان ہے جہاں تجرد اور روحانی لطافت ضروری ہے، پس وہاں وہی پہنچ سکتا ہے جو یا خود ملک ہو یا بشر ہو تو اس پر ملکیت کا علی وجہ الاتم غلبہ ہو جیسے انبیاء علیہم السلام کا مقدس گروہ پھر دوسری شرط اذن خداوندی ہے مگر وہ کمال روحانیت کے ساتھ مشروط ہے خالص مادی مزاج افراد جو روحانیت سے کورے ہوں آسمانوں میں داخل نہیں ہو سکتے جیسا کہ شیاطین کو آسمانوں کے دروازے تک بھی جانے سے روک دینے سے ظاہر ہے اور ایسے ہی بھرپور روحانیت کے ہوتے

ہوئے اذن خداوندی شرط ہے جو روحانیت کاملہ کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ حضرت سید المقبولین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شب معراج میں اذن صریح کے بعد آسمانوں کے دروازوں سے داخل کئے جانے سے ظاہر ہے

"تا بہ نامقبولاں چہ رسد؟"

پس آسمان میں جس کو قرآن نے بناء اور ایک مستحکم عمارت سے تعبیر کیا پھر اس کے لئے دروازے ثابت کئے پھر ان دروازوں پر مستعد ملائکہ کا پہرہ چوکی ثابت کیا ہے ان دو شرطوں کے ساتھ ہی داخلہ ممکن ہے کہ اولاً غلبہ ملکیت ہو اور ثانیاً صاف و صریح اذن خداوندی ہو جو اس روحانیت کے ساتھ مشروط ہے اس کے بغیر آسمانوں میں داخل ہو جانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، لیکن آسمان سے نیچے نیچے کی بلندی تک پہنچ جانے کے لئے خواہ وہ چاند ہو یا ستارے روحانیت ضروری نہیں، مادی وسائل کے ساتھ بھی یہ سفر ممکن ہے جس سے قواعد شرعیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے[1]

ابھی حال میں حضرت مولانا قاری طیب صاحب نے اپنی ایک تقریر میں وسخر لکم الشمس والقمر کے تحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "جو کچھ کر چکے سب سخر کے تحت ہے اور آئندہ جو کریں گے سخر کے تحت ہوگا۔ ہمیں اس سے کیا نقصان پہنچتا ہے بلکہ فائدہ ہے اور وہ یہ کہ معراج جسمانی کے منکروں کی زبان بند ہوتی ہے اور ہمارے رب کی قدرتوں کی پہنائیاں

---

[1] نقل از ماہنامہ دارالعلوم مارچ سنہ ۱۹۶۰ء

تسلیم ہوتی چلی جارہی ہیں، اور یہ تو چاند تک پہنچے ہیں [۱] ہم تو دوبار آ چکے اور دوبارہ جا چکے یہ چاند تک پہنچے اور ہم عرش تک آئے اور گئے جہاں یہ قیامت تک بھی نہیں جا سکتے، آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر آئے اور عیسیٰ علیہ السلام زمین سے آسمان پر گئے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرش تک گئے اور آئے، یہ مادی اسباب کے سہارے گئے ہم بغیر اسباب کے سہارے اور روحانی طاقتوں سے آئے اور گئے۔ روشنی دینا، ماہ و سال کا حساب بتانا، موڑ میں رس بھرنا یہ چاند کے مسخر ہونے کی شکلیں تھیں اب پہنچنا فائدہ اٹھانا وغیرہ بھی تسخیر کی صورتیں ہیں"ھ

ہے سر سراپردۂ جاں نکتۂ معراج
ناوک ہے مسلماں ہدف اس کا ہے ثریّا
(اقبال)

دوسرے کرات اور آفاقی نشانیوں تک پہنچنے کی پیشینگوئی

قرآن حکیم میں دوسرے کرات چاند سورج، تارے اور کائنات کے کونے کونے تک دکھا دینے کی پیشینگوئی تقریباً صاف لفظوں میں موجود

---

[۱] یہ تقریر ستمبر ۶۹ء میں حیدرآباد میں ہوئی ہے جبکہ انسان کو چاند پر پہنچے تقریباً دو ماہ گذر چکے ہیں۔

ہے، ارشادِ ربانی ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔

(حٰم سجدہ ۵۳)

ہم عنقریب ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھانے والے ہیں آفاقِ عالم میں بھی اور خود ان کی ذاتوں میں بھی یہاں تک کہ یہ بات کھل کر ان کے سامنے آجائے گی کہ یہ (قرآن) برحق ہے۔

تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں:

سنرهم ايا تنا في الافاق اقطار السموات والارض من النيرات والنبات والاشجار وفي انفسهم من لطيف الصنعة وبديع الحكمة

ہم عنقریب دکھائیں گے ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں یعنی آسمان و زمین کے کناروں میں جیسے نیرات (چاند سورج ، ستارے) اور نباتات اور درخت۔ اور خود ان کی ذاتوں میں یعنی لطیف کاریگری اور عجیب و غریب حکمت و دانائی (جو جسم انسانی کی ساخت میں پوشیدہ ہے)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نشانیوں سے مراد اسلام کی عظیم الشان اور محیر العقول فتوحات مثلاً معرکۂ بدر وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "اور یہ بھی ممکن ہے کہ آیات سے عام نشانہائے قدرت مراد ہوں جو غور کرنے والوں کو اپنے وجود میں اور اپنے وجود سے باہر تمام دنیا کی چیزوں میں نظر آتے ہیں جن میں سے

حق تعالیٰ کی وحدانیت وعظمت کا ثبوت ملتا ہے اور قرآن کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے جبکہ وہ ان سنن الہیہ اور نوامیس فطریہ کے موافق ثابت ہوتے ہیں جو اس عالم تکوین میں کار فرما ہیں اس قسم کے تمام حقائق کونیہ اور آیات آفاقیہ وانفسیہ کا انکشاف چونکہ لوگوں کو دفعتاً نہیں ہوتا بلکہ وقتاً فوقتاً بتدریج ان کے چہرہ سے پردہ اٹھتا رہتا ہے اس لئے سنریھم آیاتنا سے تعبیر فرمایا ہے[1]"

"آفاق" افق کی جمع ہے جس کے معنی کنارے یا آسمان کے کنارے کے آتے ہیں کہا جاتا ہے "اَفِقَ فلان" فلاں شخص بہت دور چلا گیا۔ اس آیت میں آفاق کے معنی اس لحاظ سے کئی سمجھے جاسکتے ہیں چنانچہ بہت سے علماء نے ملکوں کی فتوحات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئیں وہ مراد لی ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ پیشنگوئی گویا پوری ہو چکی ہے یعنی فتوحات حاصل ہو چکیں۔

لیکن مشہور مفسر عطاء اور ابن زید اور علامہ جلال الدین محلی نے اس کے اور ذرا وسیع اور ہمہ گیر معنی لئے ہیں جس میں مذکورہ معنی بھی آجاتے ہیں۔ جلال الدین محلی کا کلام اوپر آپ دیکھ چکے ہیں۔ عطا اور ابن زید جو کہ دونوں تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ "آفاق سے مراد آسمان وزمین کے کنارے ہیں یعنی سورج، چاند، تارے، دن اور رات ہوائیں اور بارشیں، بجلی اور اس کی کڑک اور چمک، نباتات اور درخت، سمندر اور پہاڑ وغیرہ[2]"

---

[1] فوائد تفسیریہ بر ترجمہ شیخ الہند صـ ۶۲۶ سورہ حم سجدہ

[2] جمل ج ۴ صـ ۵ وروح المعانی ج ۲۵ صـ ۴

امام رازی نے بھی دونوں اقوال نقل کرنے کے بعد ترجیح اسی قول کو دی ہے کہ اس سے فلکی اور کونی نشانیاں مراد ہیں۔

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ "سنریھم" میں جو حرف "س" ہے یہ عربی زبان میں اس بات کی طرف اشارہ کرنیکے لئے آتا ہے کہ یہ کام ابھی ہوا نہیں ہے بلکہ عنقریب ہونے والا ہے تو "سنریھم" کا ترجمہ ہوا "ہم عنقریب دکھانے والے ہیں" تو عطاء اور ابن زید اور محلی کی تفسیر کے پیش نظر مطلب یہ ہوا کہ ہم چاند سورج اور ستاروں، ہواؤں اور بادلوں میں اور پہاڑوں اور سمندروں میں نباتات وجمادات میں اور خود انسان کی اپنی ذات میں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں گے" اب آپ یہ سوچئے کہ چاند وسورج یا ستاروں کی کون سی بات ایسی ہے جو قرآن کریم کے نازل ہونے کے وقت تک نہیں دکھائی گئی تھی اور ہمارے موجودہ زمانے سے پہلے پہلے وہ دکھائی جا چکی ہو؟ ظاہر ہے کہ اگر نشانی دکھلانے سے مراد صرف یہی ہو کہ یہ آسمان میں چمکتے ہوئے ایک طرف سے ابھرتے ہوئے اور دوسری طرف ڈوبتے ہوئے دکھلائے جائیں تو یہ تو پہلے سے دیکھے جا رہے تھے ظاہر ہے کہ آئندہ کیلئے وعدہ کسی ایسی ہی دکھانے کا ہو سکتا ہے جو اب تک نظروں سے پوشیدہ تھا۔

انسان کی صلاحیتیں محدود نہیں ہیں ان میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا رہے گا اور خدا تعالیٰ ہمیشہ اس کو اپنی مخلوقات میں پھیلی ہوئی حکمتیں اور اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا رہے گا جس کے مشاہدہ سے انسان کے سامنے قرآنی صداقت وحقانیت واضح ہوتی چلی جائے گی اور یہ سلسلہ ہمیشہ یونہی جاری رہے گا اس اعتبار سے دیکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ آج جو انسان کو یہ طاقت

صلاحیت حاصل ہوئی ہے کہ وہ خلا میں پرواز کرے اور دوسرے سیاروں کے متعلق نئی نئی معلومات حاصل کرے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقررہ منصوبے کے تحت ہی ہو رہا ہے، آج انسان کو آفاق و انفس کی نشانیوں سے سبق لینے کا جو موقع حاصل ہے وہ اس سے پہلے نہ تھا اور آئندہ بھی اس سلسلہ میں مزید ترقی ہی ہوگی، رہی یہ بات کہ ان قدرتی نشانیوں کو دیکھ کر انسان ان حقیقتوں کو کب تسلیم کرتا ہے جو قرآن نے پیش کی ہیں تو اس سلسلہ میں کوئی یقینی بات اس لئے نہیں کہی جا سکتی کہ بسا اوقات انسان کے سامنے حق واضح ہو جاتا ہے مگر بعض دوسری رکاوٹیں ایسی ہوتی ہیں جو صحیح رخ پر نہیں پڑنے دیتیں، دوسری بات یہ بھی ہے کہ حق کا واضح ہو جانا ــــ اور اس کی طرف لوگوں کا بڑھنا اور اسے قبول کر لینا یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں یہاں پر بیان حق کے واضح ہو جانے کا ہے خواہ اسے کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے، جن پاکیزہ طبیعتوں کو نورِ بصیرت نصیب ہوا ہے ان کے ایمان میں تو یقیناً بے پناہ قوت آجاتی ہے اور ان کے لئے تو ایک نہایت خوشی کا مقام ہوتا ہے اور جو ازلی بد قسمت اس سے محروم ہیں بڑی سے بڑی آفاقی و انفسی نشانی بھی ان کے حق میں بے سود ہے:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِھِمْ	پس جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ (سورت) ان کا ایمان اور زیادہ کر دیتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں، اور جن کے دل میں بیماری ہے تو بڑھا دیتی ہے ان کی گندگی ــــ

وَمَاتُوْا وَھُمْ کٰفِرُوْنَ۔ میں مزید گندگی اور وہ مرتے دم تک
(التوبۃ - ۱۲۵) کافر ہی رہتے ہیں۔

نکتہ اہل علم کی توجہ کے قابل یہاں ایک نکتہ اور بھی سمجھ میں آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "سنریہم" میں "ہم" غائب کی ضمیر ہے اور خطاب اہلِ اسلام سے ہو رہا ہے تو "ان کو دکھائیں گے" سے مراد غیر مسلم قومیں ہی ہوئیں چنانچہ آج جس قدر بھی مادی ترقی کر رہے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جو ابھی اسلام کی دولت سے محروم ہیں۔

اور پھر صیغہ متکلم "نریہم" بتاتا ہے کہ خدائے پاک دکھلائے گا یعنی یہ سب کچھ خدا کی مرضی کے خلاف یہ لوگ محض اپنے زورِ بازو سے نہ کریں گے بلکہ خدا کے ارادے اس کی مشیت اور اس کے بنائے ہوئے پروگرام کے مطابق ہوگا۔ لہٰذا ان انکشافات کو خدا کے خلاف بغاوت اور اس کی حکومت پر تسلط سمجھنا حد درجہ کی بے وقوفی اور دینی و دنیوی دونوں علوم سے بے خبری کی علامت ہے۔

ایک دوسری قابل توجہ آیت یہ چند آیات غور سے پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہیں:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۝ بَلِ

(منکروں کا یہ خیال غلط ہے کہ انھیں لوٹ کر نہیں جانا ہے) میں قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی، اور رات کی اور جو چیزیں اس میں سمٹ آتی ہیں، اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے تم ضرور ایک طبق سے دوسرے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ۝ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

(الانشقاق ۱۶ - تا - ۲۴)

طبق تک چڑھ کر رہو گے، تو انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے، اور جب ان کے پاس قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو یہ سجدے میں نہیں گر پڑتے بلکہ یہ منکر لوگ اوپر سے اور جھٹلاتے رہیں، اور اللہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جو یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، تو آپ انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیدیجئے۔

قرآن کریم میں جہاں کائنات کی بہت سی چیزوں کا ذکر آتا ہے وہاں عام طور پر ذہنوں کو ان چیزوں کے ذریعہ ان کے خالق و مالک کی طرف ہی موڑنا مقصود ہوتا ہے، یہاں پر بھی یہی طرز اختیار کیا گیا ہے جس میں سب سے پہلے لیل و نہار کے ایک حسین سنگھم اور دونوں کے سہانے ملاپ ایک دلکش منظر کا ذکر ہے جسے ہر شخص دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ ضرور کوئی ایسی ہستی ہے جس نے سورج کے دمکتے ہوئے چہرے پر شام کی سرخ نقاب ڈالدی ہے، پھر رات کی سیاہ چادر کا ذکر ہے جو ہر چیز کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے پھر ایک ایسی چیز کا ذکر ہے جو ہمیشہ انسانی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ یعنی چاند اور وہ بھی بدرِ کامل، روشن اور چمکدار اور اس کے بعد ارشاد ہے۔ "تم ضرور ایک طبق سے دوسرے طبق تک چڑھ کر رہو گے"!

لفظ "طبق" کئی معنی میں مستعمل ہے۔ عام مفسرین نے انسانی پیدائش اور نشو و نما کے تغیرات مراد لئے ہیں، بعض مفسرین نے طبق بمعنی آسمان بھی لیا ہے،

(اگرچہ خطاب اس صورت میں عام نہیں رہتا) معالم التنزیل میں ہے

قرأ اهل مكة وحمزة والكسائى لتركبن بفتح الباء يعنى لتركبن يا محمد، قال الشعبى ومجاهد سماء بعد سماء قال الكلبى يعنى تصعد فيها۔

(معالم ص ۹۶۵ مطبوعۃ الہند)

اہل مکہ اور حمزہ اور کسائی نے لترکبن باء کے فتح سے پڑھا ہے یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ چڑھیں گے، شعبی اور مجاہد فرماتے ہیں ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر، کلبی کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ آپ ان میں چڑھیں گے۔

معلوم ہوا کہ طبق کے معنی آسمان کے بھی ہیں۔ موجودہ دور میں جبکہ انسان ایک اہم خلائی کارنامہ انجام دے چکا ہے اور کائنات کے ایک طبقہ سے ترقی کر کے ایک دوسرے طبقہ میں جا پہنچا ہے ان آیات کو دیکھ کر ذہن ضرور اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ خدائے عالم الغیب نے کس قدر عجیب وغریب تعبیر اختیار فرمائی ہے جو ہر دور کے لحاظ سے مختلف معنی کی متحمل ہے، فیصلہ کن انداز میں یہ کہنا تو مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ یہاں طبقات میں چڑھنے سے مراد خلائی پروازیں ہی ہیں تاہم یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے کہ خدائی کلام میں نہ صرف یہ کہ خلائی پروازوں کے خلاف کوئی بات نہیں ملتی بلکہ اس میں عجیب وغریب انداز میں اشارے ان کی تائید میں موجود ہیں اور اس نظر سے اس سے اگلی آیات کو اور بالخصوص فما لھم لا یومنون میں جو ایک گونہ حیرت واستعجاب ظاہر کیا گیا ہے اس کو دیکھئے تو مضمون کی بلاغت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے اور باہمی ربط وتسلسل بھی باقی رہتا ہے۔

دوسرے طبقات کے باشندوں سے انسانوں کی ملاقات

یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے عجائبات اور اس کے اندر رکھے گئے طرح طرح کے علوم کبھی ختم نہ ہوں گے، کسی مضمون کو ادا کرنے کے لئے تعبیرات اس میں ایسی جامع لائی گئی ہیں کہ ہر زمانے میں، اس زمانے کے مطابق اس کے معنی سمجھے جا سکیں، پیچھے آپ ایک آیت پڑھ آئے ہیں اس کے متعلق گذشتہ معروضات کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہاں خاص طور پر اس کے آخری جملے پر توجہ کیجیے۔

وَمِنْ آيَاتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَابَّةٍ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ۔ (شوریٰ ۲۹)

اور منجملہ اس (کی قدرت) کی نشانیوں کے پیدا کرنا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان جانداروں کا جو اس نے آسمان و زمین میں پھیلا رکھے ہیں، اور وہ ان کے جمع کرنے پر جس وقت چاہے قادر ہے

”اور وہ ان کے جمع کرنے پر جس وقت چاہے قادر ہے“ کی تفسیر عام علماء امت نے یہ کی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ جب چاہے ان جانداروں کو اکٹھا کر سکتا ہے اور یہ قیامت کے دن ہوگا“ اور وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ”ھم“ اگرچہ ذوی العقول کی ضمیر ہے لیکن انسانوں کو اصل قرار دے کر جانوروں کو ان کے ساتھ ضمناً بیان کر دیا ہے جس کو اصطلاح میں ”تغلیب“ کہتے ہیں یعنی ذکر کرنے میں اہل عقل کے لفظ کو غالب کر دیا ہے اور اذا یشاء سے مراد قیامت کا دن ہے ——— اور جمع کا مطلب حشر ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ تفسیر بالکل صحیح اور عربی قواعد کے بالکل موافق اور علماء کرام کی متفق علیہ

تفسیر ہے لیکن قرآن کریم کی ایک خصوصیت اور اعجاز اس کے الفاظ کی لچک اور معانی کی وسعت بھی ہے اس لحاظ سے اس تفسیر کے ساتھ ساتھ ان الفاظ سے ایک دوسرے معنی سمجھنا بھی ممکن ہے جس کے لئے علیٰ جمعھم اذا یشاء قدیر میں دو چیزیں قابل توجہ ہیں ایک تو "علیٰ جمعھم" عربی داں حضرات جانتے ہیں کہ "ھم" کی ضمیر ذوی العقول یعنی انسانوں کے لئے استعمال ہوتی ہے انسان کے علاوہ دوسرے جانداروں وغیرہ کے لئے اگر جمع کی ضمیر لانی ہوگی تو ھا لائی جائے گی۔ معلوم ہوا کہ آیت میں جن جانداروں کے جمع کرنے کا ذکر ہے وہ انسانوں کی قسم کے ہیں دوسری قابل توجہ چیز "اِذَا یَشَآءُ" ہے یعنی "جس وقت چاہے" یہ نہیں فرمایا کہ قیامت کے دن اگرچہ قیامت کا دن بھی خدا کے چاہنے ہی سے آئے گا لیکن لفظ اسی دن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ خدا کی مرضی جب بھی ان کو جمع کرنے کی ہو جائے گی وہ جمع ہو جائیں گے۔

اب اگر خدا کی مرضی مثلاً یہ ہو جائے کہ ان جانداروں میں سے زمین اور کسی دوسرے سیارے کے باشندے ۱۹۸۰ء میں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور ملاقات کرلیں یا ۱۹۸۵ء میں ملاقات کرلیں تو اس وقت بھی ملاقات ہو سکتی ہے اور اس سے پہلے یا بعد میں اگر خدا ملاقات کرائے تو اذا یشاء کے عموم میں وہ بھی داخل ہے۔

قیامت کا مضمون قرآن کریم کی بہت سی آیات سے ثابت ہے اور اس سے بھی ثابت ہوتا ہے لیکن اسکے الفاظ میں ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے اپنے بندوں کو اکٹھا کر کے ملاقات

کرا دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غور کیجیے تو الفاظ قرآنی اس دوسری تفسیر کے زیادہ موافق ہیں اس لئے کہ "ہم" کی ضمیر جو ذوی العقول کے لئے ہے اس تفسیر کے لحاظ سے اپنے حال پر باقی رہتی ہے اور تغلیب وغیرہ کی تاویل نہیں کرنا پڑتی دوسرے اِذَا یَشَاءُ بھی اپنے عموم پر رہتا ہے

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند (اقبال)

دوسری زمینوں کے باشندے اور دعوتِ اسلام

نکتہ سنجانِ شریعت اور دور اندیش و بالغ نظر علماءِ کرام نے یہاں پر ایک عجیب و غریب بحث یہ بھی چھیڑی ہے کہ ہم لوگوں پر دوسری زمینوں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دینا اور خدا کے احکامات پہنچانا واجب ہے یا نہیں مشہور مفسر قرطبی علامہ ماوردی کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

قال الماوردی وعلی انھا	اس صورت میں جبکہ ساتوں زمینیں
سبع ارضین متفاصلة بعضھا	علیحدہ علیحدہ اوپر نیچے ہوں اسلام کی
فوق بعض تختص دعوة الاسلام	دعوت اسی اوپر والی زمین کے باشندوں
باھل الارض العلیا ولا یلزم	کے لئے مخصوص ہوگی اور دوسری
من فی غیرھا من الارضین	زمینوں کے باشندوں کے لئے لازم

وان كان فيها من يعقل من خلق مميز[1]

نہیں ہوگی خواہ وہ لوگ عقل وتمیز اور شعور رکھتے ہوں۔

اس کے بعد قرطبی لکھتے ہیں:

ان لم يكن لاحد من اهل الارض وصول الى ارض اخرى اختصت دعوة الاسلام باهل هذه الارض، وان كان لقوم منهم وصول الى ارض اخرى احتمل ان تلزمهم دعوة الاسلام لامكان الوصول اليهم، لان فصل البحار اذا امكن سلوكها لا يمنع من لزوم ما عم حكمه، واحتمل الا تلزمهم دعوة الاسلام لانها لو لزمتهم لكان النص بها وارداً ولكان

ہماری اس زمین کے باشندوں میں سے اگر کوئی بھی کسی دوسری زمین تک نہ پہنچ سکے تو اسلام کی دعوت اِسی زمین والوں کے ساتھ مخصوص رہے گی، اور اگر کچھ لوگ ان میں سے کسی دوسری زمین تک پہنچ سکیں تو ممکن ہے ان (دوسری زمین والوں) پر بھی اسلام کی دعوت لازم ہو جائے کیونکہ ان لوگوں تک (اس صورت میں دعوت اسلام کا) پہنچنا ممکن ہو گیا۔ (اور ہماری یہ رائے) اس لئے ہے کہ جب سمندروں وغیرہ کا عبور کرنا ممکن ہو تو عمومی قسم کے احکام (سمندر پار والوں پر) بھی لازم ہو جاتے ہیں۔ اور احتمال یہ بھی ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت

[1] تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۱۷۵ وحواشی جمل ج ۱ ص ۳۷ سورۃ البقرۃ۔

صلی اللہ علیہ وسلم مامور ہے[1] دینا ضروری نہ ہو کیونکہ اگر ضروری ہوتا تو ضرور اس سلسلہ میں کوئی صریح حکم وارد ہوتا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا حکم ہوا ہوتا۔

یہ بحث ہم نے یہاں پر اس مسئلہ فقہیہ کی تحقیق کرنے کے لئے نہیں چھیڑی ہے بلکہ بتانا یہ ہے کہ علماء اسلام نے (اللہ تعالیٰ ان کو پوری امت کی طرف سے بہترین بدلہ نصیب فرمائے) کتنے زمانے قبل جبکہ جدید علوم کا نام ونشان بھی نہ تھا کہاں کہاں تک کی سوچ لی تھی، اور یہ کہ ان حضرات کے نزدیک دوسری زمینیں اور وہاں پر خدا کی مخلوق اور ہم جیسے عقل وشعور رکھنے والے باشندوں کا ہونا کس قدر یقینی اور واضح باتیں تھیں۔

خدا وہ دن لائے کہ انسان کسی دوسری آبادی تک جا پہنچے تو انشاء اللہ علماءِ کرام اس معاملہ میں بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلامی فیصلہ کریں گے اور کتنی چیزیں ہیں جو اس سلسلہ میں ملحوظ رکھنا ہوں گی۔

---

[1] تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۱۷۵ وحواشی جمل علی الجلالین۔

چاند ستاروں کے مقامات

سیارات وکواکب کے سلسلہ میں ایک خیال یہ بھی مشہور ہے کہ یہ سب مختلف آسمانوں میں ہیں کوئی پہلے میں کوئی دوسرے میں اور اسی طرح ساتوں آسمانوں میں کچھ کچھ سیارے اور ستارے ہیں لیکن دراصل یہ مذہب قدیم فلاسفہ کا ہے شریعت اسلامی نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی اور نہ اہل اسلام کے نزدیک یہ کوئی قابل اعتماد بات ہے علامہ آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں:

و ما ذھب الیہ جل الفلاسفۃ من ان القمر وحدہ فی السماء الدنیا وعطارد فی السماء الثانیۃ والزھرۃ فی الثالثۃ والشمس فی الرابعۃ والمریخ فی الخامسۃ والمشتری فی السادسۃ وزحل فی السابعۃ والثوابت فی فلک فوق السابعۃ ھو الکرسی بلسان الشرع فمما لا یقوم علیہ برھان یفید الیقین بلہ

اور یہ جو اکثر فلاسفہ کا مذہب ہے کہ چاند تنہا اس پہلے آسمان میں ہے اور عطارد دوسرے آسمان میں ہے اور زہرہ تیسرے میں اور سورج چوتھے میں اور مریخ پانچویں میں اور مشتری چھٹے میں اور زحل ساتویں میں اور باقی ستارے ساتویں آسمان سے اوپر ایک اور آسمان میں ہیں جسے شریعت کی اصطلاح میں کرسی کہتے ہیں تو یہ بات کسی قابل یقین دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

لہ روح المعانی جلد ۲۳ صہ ۹۳،

کیا ستارے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں؟

خلائی انکشافات اور چاند و مریخ وغیرہ کے سفر کے تذکرے سن کر عام لوگوں کے ذہنوں میں سب سے پہلے جو اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ستارے تو آسمان میں ٹکے ہوئے اور جڑے ہوئے ہیں ان میں بھلا کوئی کیسے جا سکتا ہے اور یہ خیال پیدا اس لئے ہوتا ہے کہ قدیم بطلیموسی نظریہ یہی تھا کہ یہ ستارے آسمان میں اس طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح انگوٹھی میں نگینہ یا تختہ میں میخ، لیکن اسلامی نظریہ قطعاً ایسا نہیں ہے، قرآن و حدیث کی رو سے ستارے آسمان میں جڑے ہوئے نہیں ہیں، مفسر قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

النجوم قناديل معلقة بين السماء والارض بسلاسل من نور بايدى ملائكة (روح المعانی سورہ تکویر)[۱]	تمام ستارے آسمان و زمین کے درمیان فضا میں نور کی زنجیروں سے فانوس کی طرح لٹکے ہوئے ہیں جنہیں فرشتے اپنے ہاتھوں سے تھامے ہوئے ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ:

ويقرب منه قول الفلاسفة المحدثين لعن بقوى متجاذبة[۲]	جدید فلاسفہ کا قول بھی اس کے قریب ہی ہے لیکن وہ ان کے اندر باہمی کشش مانتے ہیں۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

---

[۱] جلد ۳۰ ص ۵

لم یقم دلیل علی ان شیئاً من الکواکب مغروز فی شئ من السموات کالفص فی الخاتم والمسمار فی اللوح بل فی بعض الاخبار ما یدل علی خلافہ[1]

اس بات پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے کہ کوئی ستارہ آسمان میں اس طرح گڑا ہوا ہو جس طرح انگوٹھی میں نگینہ یا تختہ میں مینخ گڑی ہوتی ہے بلکہ بعض روایات سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی بعض آیات سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ آسمان میں پیوست ہیں مثلاً:

وھو الذی خلق اللیل و النھار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون (انبیاء ۳۳)

اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے ہر ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں فلک سے مراد آسمان نہیں ہے چنانچہ علماء مترجمین نے بھی فلک کا ترجمہ دائرہ ہی کیا ہے، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے " ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں" پھر فائدہ میں لکھتے ہیں " ہر ستارہ ایک ایک گھیرا رکھتا ہے، اسی راہ پر تیرتا ہے معلوم ہوا ستارے آپ چلتے ہیں یہ نہیں کہ آسمان میں گڑے ہیں اور آسمان چلتا ہے نہیں تو یوں نہ فرماتے"۔

قدمائے مفسرین بھی فلک کو مدار ہی کے معنی میں لیتے ہیں۔ تفسیر خازن میں ہے:

الفلک مدار النجوم الذی یضمھا وھو فی کلام العرب کل

فلک نام ہے ستاروں کے دائرہ کا جو کہ ان پر محیط ہے اور فلک عربی زبان میں

---

[1] روح جلد ۲۸ صفحہ ۱۳۵ سورۃ الطلاق

شیٔ مستدیر[1] ہر مدور اور گول چیز کو کہتے ہیں۔

تفسیر خازن اور جمل وغیرہ میں ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ:

الفلک موج مکفوف دون السماء تجری الشمس والقمر والنجوم فیہ[2] — فلک آسمان سے نیچے مدور گھری ہوئی فضا ہے جس میں سورج، چاند اور ستارے گردش کرتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں "فلک گول چیز کو کہتے ہیں، چونکہ شمس وقمر کی حرکت مستدیر ہے اس لئے اس کے مدار کو فلک فرمایا"[3] حضرت شیخ الہندؒ نے ترجمہ کیا ہے "ہر ایک اپنے اپنے چکر میں پھرتے ہیں۔" مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں "سورج چاند بلکہ ہر سیارہ اپنے مدار پر پڑا چکر کھا رہا ہے"[4] محترم مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مدظلہٗ علماء سلف کی یہ رائے ایک طے شدہ حقیقت کے درجہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ تمام سیارات آسمانوں کے نیچے ہیں"[5]

یہاں تک یہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی کہ:- (۱) فلک فضا میں سیارات کے گردش کرنے کی لائن اور ان کی جولانگاہ کو کہتے ہیں (۲) یہ چاند، سورج اور ستارے اور ان کی گردش گاہیں سب فضا میں ہیں کوئی چیز کسی میں نہ جڑی ہوئی ہے نہ ٹھکی ہوئی ہے۔ (۳) یہ سورج بھی دوسرے سیاروں کی طرح گردش میں ہے علامہ آلوسی فرماتے ہیں وفی الآیۃ رد علی القائلین بان الشمس ساکنۃ یعنی آیت ان لوگوں کی تردید کرتی ہے جو سورج کو ساکن مانتے ہیں یہ تینوں باتیں موجودہ سائنس کے عین مطابق ہیں (۴) اور ایک چوتھی بات

لہ خازن ص ۲۷۶/۳ و معالم التنزیل ص ۵۸۷، ۲ہ خازن ص ۲۷۶/۳، جمل ص ۱۲۷/۳، مدارک ص ۶/۳ والمعالم ص ۵۸۷، ۳ہ سورۃ الانبیاء، ۴ہ سورۃ الانبیاء ص ۴۳۰، ۵ہ نطق انور ص ۱۴ ملخصاً و منہ

بھی سن لیجئے امام راغب اصفہانی جو امام لغت ہیں فرماتے ہیں:

السبح المر السریع فی الماء و الھواء واستعیر لمجری النجوم فی الفلك — السبح پانی یا فضا میں تیز دوڑنے کو کہتے ہیں اور اسی سے بطور استعارہ ستاروں کا فلک میں دوڑنا بھی لیا گیا ہے۔

اس سے جدید سائنس کی بات ہو بہو مطابق ہو گئی کہ یہ تمام سیارے بڑی تیزی سے دوڑ رہے ہیں اور علامہ قرطبی اور امام بغوی صاحب تفسیر معالم التنزیل اور قاضی بیضاوی نے تو صاف یجرون ویسیرون بسرعۃ وغیرہ کے ساتھ ان کا تیزی سے دوڑنا بیان کر دیا ہے۔ دوسری ایک آیت جس سے چاند سورج اور ستاروں کا آسمان میں گڑے ہوئے ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے یہ بھی ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِيرًا (الفرقان ۶۱) — بہت عالیشان ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں ایک چراغ اور نورانی چاند بنایا

اس کی کئی توجیہات ہیں:۔

پہلی توجیہ:۔ سماء سے عربی زبان میں کبھی آسمان مراد ہوتا ہے اور کبھی مطلق اوپر کی جہت مراد ہوتی ہے، خود قرآن مجید میں یہ لفظ ان دونوں معنی کے لئے استعمال ہوا ہے جیسا کہ ہم پہلے[1] لکھ آئے ہیں اور سب سے مستحکم و مضبوط دلیل یہ قاعدہ ہے کہ مشاہدہ صریح اور نقل صحیح میں کبھی ٹکراؤ نہیں ہو سکتا تو اگر چاند، سورج اور سیارے

---

[1] دیکھئے ص ۱۱۹

بجائے خالی فضا میں ہونے کے آسمان میں جڑے ہوئے ہوتے تو انسان چاند میں کس طرح پہنچ سکتا تھا حالانکہ وہ چاند پر پہنچا، چلا پھرا اور آسمان وہاں سے بھی ایسا ہی نظر آتا تھا جیسا ہماری اس زمین پر سے۔

دوسری توجیہ:۔ آسمان سے مراد آیت کریمہ میں قرب آسمان ہے، اور کسی چیز کے قرب و نزدیکی پر اسی چیز کا اطلاق عام طور پر کر دیا جاتا ہے جس کی مثالیں قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور محاورات عرب میں بکثرت پائی جاتی ہیں، حضرت تھانویؒ نے بھی اس آیت کے تحت یہی توجیہ ممکن قرار دی ہے۔ ہماری اردو بول چال میں بھی یہ چیز عام ہے کہ کوئی چیز جب قریب آجاتی ہے تو اسے آگئی کہتے ہیں، مثلاً دہلی آنے والا مسافر کئی میل دور ہی سے دہلی آگئی کہنے لگتا ہے اسی طرح رمضان آگیا، عید آگئی بولتے ہیں حالانکہ ابھی کئی دن باقی ہوتے ہیں۔

تیسری توجیہ:۔ بروج کو اس کے اصلی معنی میں رکھا جائے یعنی قلعہ اور پر شوکت محل، تفسیر خازن میں ہے۔

البروج قصور فیھا الحرس[1]	بروج وہ محلات کہلاتے ہیں جن میں چوکی پہرے کا انتظام ہو۔

قرآن کریم میں یہ لفظ اس معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے سورہ نساء کی آیت ہے:۔

---

[1] خازن ص۳۷۸ ج۳ والمعالم ص۴۲۳ ج۴ نقلاً عن عطیۃ العوفی

وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ (نساء ۷۸)	اگرچہ تم مضبوط و مستحکم قلعوں ہی میں ہو۔

اس صورت میں سماء کو اس کے مشہور معنی میں رکھتے ہوئے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں مضبوط و مستحکم قلعے بنائے ہیں جہاں پر بیٹھ کر پہرہ دار فرشتے حفاظت کرتے ہیں اور جو شیاطین آسمانی خبریں سننے کے لئے آتے ہیں ان پر شہاب ثاقب پھینکتے اور شعلہ باری کرتے ہیں۔

اور جن اسرائیلی روایات میں اور ان کی وجہ سے ہمارے بعض مفسرین کے کلام میں بھی چاند سورج اور ستاروں کے بارے میں یا آسمان وغیرہ کے بارے میں بہت سی بے سروپا باتیں اور طرح طرح کی خرافات ہانکی گئی ہیں ان کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں علامہ سید محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں۔

اکثر الاخبار فی امر السموات والارض والکواکب لا یعول علیھا اشار الیہ النسفی فی بحر الکلام[1]	آسمان و زمین اور ستاروں کے سلسلہ میں اکثر و بیشتر خبریں اور روایات ناقابل اعتبار ہیں جیسا کہ علامہ نسفی نے اپنی کتاب بحر الکلام میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مذکورہ بالا معروضات سے یہ بات صاف ہو گئی ہے کہ علماء اسلام کے نزدیک چاند و سورج اور ستارے آسمان میں گڑے ہوئے نہیں بلکہ فضا میں معلق گھوم رہے ہیں لہٰذا علماء متقدمین میں سے کسی کے کلام میں اگر کوئی اشارہ

---

[1] روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۲۵

اس کے خلاف ملے تو اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ چونکہ سماء کا لفظ دونوں معنی کے لئے آتا ہے فضا کے لئے بھی اور آسمان کے لئے بھی اس لئے انھوں نے ایک معنی سمجھ لئے بالخصوص جبکہ اس زمانے میں مروج عقلی نظریہ بھی بطلیموسی ہیئت کے زیر اثر یہی تھا۔ آج کل چونکہ جدید آلات اور خلائی تجربات و مشاہدات نے بطلیموسی نظریہ کی دھجیاں بکھیر دی ہیں اور قدیم خیالات و توہمات کے پرخچے اڑا دیئے ہیں لہٰذا سماء کو اس کے دو معنی میں سے ایک معنی یعنی فضاء آسمانی کے لئے سمجھا جائے گا۔ اور ستاروں اور سیاروں کو فضا میں معلق قرار دیا جائیگا یہی تفسیر منقول ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور عقل و نقل ہر لحاظ سے یہی معتبر و معتمد ہے۔

خلاصہ بحث اگر سماء کو مطلقاً اوپر کی جہت کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اس جوّ کی وسعت کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا اور جہاں کہیں "سماء" کی تعداد وغیرہ کا ذکر ہے اس سے جوّ ہی کے درجات مراد ہوں گے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں "یورپ جوّ متشابہ لطیف غیر متناہی مانتا ہے میرے نزدیک یہی درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ غیر متناہی کو ہم بغیر تسلسلِ علّات کے باطل نہیں مانتے پھر اسی جو میں درجات ہوں گے جن کو سمٰوات کہہ سکتے ہیں۔ [1]" اس صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آسمان سوائے درجات جوّ کے اور کوئی شے مجسم نہیں؟

---

[1] نطق انور صـ۵۴

جواب یہ ہے کہ ۔۔ "حکمائے یونان اور بطلیموسیوں کے مصطلح افلاک کا اقرار و اثبات ہمارے لئے ضروری نہیں جس طرح کہ سرے سے افلاک و سموات کے وجود ہی سے انکار کرنا بھی ہمارے لئے ضروری نہیں[1]"

اور آیات و روایات سے جو آسمانوں میں دروازوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے تو ضروری نہیں کہ کواڑ اور چوکھٹ ہی کے دروازے ہوں بلکہ جَو کے ہر درجہ کی ابتداہی اس درجہ کا دروازہ ہو سکتی ہے جیسے کسی علاقے کے اندر داخلے کی جگہ کو دروازہ کہہ سکتے ہیں مثلاً گجرات کو قدیم زمانے میں باب الہند کہا جاتا تھا اس لئے کہ عرب تجار اس طرف سے بھی ہندوستان میں کثرت سے آتے تھے واللہ اعلم۔

عقیدۂ قیامت اور سائنس

سائنس کی تازہ تحقیق یہ ہے کہ "ہماری کہکشاں کا مرکز مشہور ہائیڈروجن گیس پر مشتمل ہے، ہماری کہکشاں ایک عظیم بھنور کی طرح چکر کاٹ رہی ہے اور ہائیڈروجن کو مرکز کی طرف کھینچتی رہتی ہے، اس گیس سے نئے ستارے جنم

---

[1] محترم مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مرتبؒ "نطق انور" نے مولانا نانوتویؒ کی ایک عبارت کی توضیح میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ ص ۵۷ حقیقت سموات کی بحث کی نزاکت و اہمیت کے پیش نظر ضرورت ہے کہ کوئی صاحبِ علم اس پر مزید خامہ فرسائی کریں۔

لیتے ہیں اور پرانے ستارے دم توڑ دیتے ہیں۔ الغرض حیات و مرگ کا سلسلہ یہاں پر بھی وسیع پیمانے پر جاری ہے[1]"

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

اور دوسری طرف سائنس ہی کی یہ تحقیق بھی ہے کہ مریخ یا بعض دوسرے ستاروں میں آبادی کا امکان ہے، راقم سطور اوپر کی سائنسی تحقیق دیکھنے کے بعد ایک روز تلاوت کرتے ہوئے جب سورۂ ذاریات کی اس آیت پر پہنچا:

والسماء ذات الحبك انكم لفي قول مختلف يوفك عنه من افك (ذاریات آیت ۷، تا ۹)	قسم ہے آسمان جالدار کی، تم پڑ رہے ہو ایک جھگڑے کی بات میں، اس سے باز رہے وہی جو پھرا گیا[2]

تو معاً میری زبان رک گئی، اور حیرانی کے ساتھ میں ایک سوچ میں پڑ گیا یہاں پر پیچھے خدائے ذوالجلال پے در پے اکٹھی چار قسمیں کھا کر حلفیہ بیان کر چکا ہے کہ یقیناً قیامت واقع ہونے والی ہے اس کے بعد پھر خدائے غنی و بے نیاز پانچویں قسم کھاتا ہے اور فرماتا ہے "صاف و شفاف، خوبصورت، مضبوط اور پُر رونق آسمان کی قسم جس پر ستاروں کا جال بچھا ہوا معلوم ہوتا ہے قیامت اور

---

[1] یہ اقتباس ایک سائنسی مقالے کے حوالے سے ہفتہ وار صدق جدید ۱۵ اگست ۶۹ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔

[2] ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آخرت کی بات میں خواہ مخواہ جھگڑے ڈال رکھے ہیں، اس کو وہی تسلیم کرے گا جسے بارگاہِ ربوبیت سے کچھ تعلق ہو جو شخص راندۂ درگاہ ہے اور خیر و سعادت کے راستوں سے پھیر دیا گیا ہے وہ اس چیز کے تسلیم اور قبول کرنے سے ہمیشہ باز رہے گا۔ حالانکہ اگر صرف آسمان کے نظم و نسق ہی میں غور کرے تو یقین ہو جائے کہ اس مسئلہ میں جھگڑنا محض حماقت ہے[1]۔

علماء تفسیر اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن حکیم میں جہاں بھی کوئی قسم آئی ہے ضرور اس مضمون سے اس قسم کا کوئی ربط و تعلق ہے میں نے جب مضمون سے اس قسم کا ربط تلاش کیا تو معاً یہ بات سمجھ میں آئی کہ ستاروں کے جہاں میں وجود و فنا کا سلسلہ مستقل طور پر جاری ہے انتہائی لطیف طریقہ پر اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے چنانچہ آگے کا جملہ کہ "اس سے وہی باز رہے گا جو ہر سعادت کی راہ سے محروم کر دیا گیا ہے" کس قدر بلیغ انداز میں اس کی بداہت کو ظاہر کر رہا ہے۔ آج کی جدید تحقیقات کے بعد سوچیے کہ جس طرح تاروں میں ہر وقت بہت سے فنا ہوتے رہتے ہیں اور گویا ہر ہر منٹ میں سیکڑوں قیامتیں برپا ہوتی رہتی ہیں اسی طرح یہ دنیا بھی ایک سیارہ ہے اس میں قیامت آنے میں کیا اشکال ہو سکتا ہے، چنانچہ ہماری اس دنیا میں قیامت آنے کا تصور بھی ہمارے سائنسدانوں کے ذہنوں میں پوری طرح آنے لگا ہے۔

---

[1] فوائد تفسیریہ از علامہ عثمانی صد ۷۶۵

کائنات کی ہر ہر چیز انسان کیلئے مسخّر ہے

یہ حقیقت قرآن حکیم میں مختلف پیرایوں میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے کہ اس کائنات کی ہر شئے خواہ وہ اس زمین کے اوپر ہو یا اس کے اندر ہو اور خواہ وہ کائنات میں انسانی آنکھوں کو دکھائی دیتی ہو یا ہنوز پردۂ خفا میں ہو، وہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کائنات میں موجود ہو اور انسان کے زیرنگیں اور اس کے لئے مسخر نہ ہو، اس سلسلہ کی قرآنی آیات کو پوری طرح سمجھنے اور تسخیر کی قسموں کو تفصیل سے جاننے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے لفظ "تسخیر" کے معنی اور اس کا صحیح مفہوم سمجھ لیا جائے۔

تسخیر کے معنی

قرآن کریم میں لفظ "تسخیر" دو معنی میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ کسی چیز کا پوری طرح قابو اور کنٹرول میں دیدینا جیسے سواریوں کے بارے میں بندوں کی زبانی ارشاد ہوتا ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ (زخرف ۱۳)

وہ ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے۔

۲۔ کسی چیز کا انسان کے نفع کے کاموں میں لگا چھوڑنا جیسے ارشاد ربانی ہے

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

اور تمہارے نفع کے واسطے سورج اور چاند کو مقرر کر دیا جو ہمیشہ چلتے ہی رہتے

(سورۂ ابراہیم آیت ۳۳) ہیں اور تمہارے نفع کے واسطے رات اور دن مقرر کر دیئے

شیخ سلیمان جمل اس کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

والمعنی ان اللہ سخر الشمس والقمر تجریان دائما فیما یعود الی مصالح العباد لا یفتران الی آخر الدھر[1]

معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کو ایسے کاموں کے لئے مسخر کر دیا ہے جن کا فائدہ انسانوں کو پہنچتا رہتا ہے وہ کبھی بھی اپنے اس کام سے سرتابی نہیں کر سکتے

قرآن کریم میں عام طور پر یہ لفظ ان ہی دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے اور کائنات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین کچھ اسی طرح بنائے ہیں کہ کچھ چیزیں انسانوں کے لئے مسخر ہیں پہلے معنی کے طور پر اور کچھ چیزیں مسخر ہیں دوسرے معنی کے لحاظ سے لیکن خدائے قادر و قیوم نے کبھی کبھی اپنی قدرت سے ان چیزوں کو بھی جو دوسرے معنی کے لحاظ سے مسخر تھیں پہلے معنی میں مسخر کر دیا ہے یعنی جن چیزوں کا صرف نفع انسانوں کو پہنچتا تھا وہ چیزیں پوری طرح ان کے کنٹرول میں اور قابو میں بھی دیدی ہیں جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق احکم الحاکمین کا فرمان ہے :

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ (ص ۳۶)

ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی تھی۔

---

[1] جمل صـ۵۲۵/۲

تو اگر خدائے حکیم دوسری چیزوں کو بھی جو پہلے صرف انسانوں کے نفع کے لئے استعمال ہو رہی تھیں یعنی صرف ایک معنی کے لحاظ سے مسخر تھیں دوسرے معنی کے لحاظ سے بھی مسخر کر دے یعنی انسانوں کو ان پر قبضہ اور تسلط بھی دیدے تو کون سی مشکل بات ہے، جب تک خدا کی مرضی ہوئی کہ چاند دور ہی دور سے فائدہ پہنچاتا ہے وہ دور سے فائدہ پہنچاتا رہا اور جب خدا نے چاہا انسانوں کو اس کی چھاتی پہ لیجا کر جھنڈا نصب کرا دیا اور اگر چاہے گا تو وہاں مکانات، باغات، کارخانے وغیرہ بھی قائم کرا دے گا اور اسی طرح کسی دن ستاروں کا بھی اگر نمبر آجائے اور ایک ایک کر کے وہ بھی اس خدا کے خلیفہ حضرت انسان دام مجدہٗ کے زیر نگیں آنے لگیں تو کیا تعجب ہے ؎

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد   مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

اور پھر اگر اس امکان کی طرف تھوڑی دیر کے لئے نہ بھی جائیے تو تسخیر کے کم سے کم معنی خدمت میں لگا دینے کے تو ہیں ہی یعنی یہ چاند، سورج، تارے سب خادم ہیں اور یہ میاں انسان صاحب مخدوم ہیں تو اگر یہ مخدوم رفتہ رفتہ اپنے ان خدمتگاروں چاند، سورج اور ستاروں اور کائنات کی دوسری لامحدود چیزوں کو استعمال کرنا سیکھتا جائے اور ان باندی غلاموں سے خدمت لینے کے نئے نئے طریقے دریافت کرتا چلا جائے تو نئی بات کچھ بھی نہیں بالکل خدا کے نظام کے موافق اور اس کی تکوین کے عین مطابق ہے۔

چنانچہ آج کوئی ایک دو چیز نہیں بلکہ اس کائنات کی ہر ہر شئے اس سے کہیں زیادہ منافع کے لئے استعمال ہو رہی ہے جتنی چند صدیاں پہلے استعمال ہوتی تھی

اور انشاء اللہ آگے آگے یہ مخدوم انسان اور بھی زیادہ ان چیزوں سے اور نئی نئی چیزوں سے خدمت لینے کے نئے نئے طریقے دریافت کرتا رہے گا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ تسخیر کائنات کی چند آیات لکھنے کے بعد فرماتے ہیں" پس جو چاہے ان اشیاء کے دریچہ ہائے کمال میں جھانکے، خود اس سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو مستفید ہونے کا موقع دے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ انسان نہ صرف زمین بلکہ فضائے آسمانی کی تمام کائنات سے ہر قسم کے منافع حاصل کر سکتا ہے وہ اس کی اعانت و امداد سے کبھی سرتابی نہیں کر سکتے، اور یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کی اہمیت سے انسان روز بروز واقف ہو رہا ہے[۱]" اس کے چند سطر بعد مولانا مرحوم فرماتے ہیں " غرض یہ ہے کہ انسان اور کائنات کے باہمی تعلقات پر نظر ڈالنے کے بعد یہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ جس حکمت بالغہ نے ہم کو یعنی ہماری روحوں کو ہیکل جسمانی کے ساتھ وابستہ کیا ہے اس نے محض اپنے فضل عمیم، لطف کریم سے اس ہیکل کے بقاء و صحت، نشوونما کے لئے ہر طرح کے سامان ہمارے اردگرد پھیلا دیئے ہیں اور پھر اس نے ہمارے اندر ایسی قوتیں ودیعت فرمائی ہیں جن کی رہنمائی سے ہم ان تمام چیزوں پر تسلط حاصل کر لیتے ہیں" اس کے بعد مولانا مرحوم اپنے مخصوص البیلے انداز میں فرماتے ہیں۔
" بدبخت نہ سوچنے والی قومیں کچھ ہی کہیں لیکن بنی آدم کے بلند اختر قبیلوں نے اس کا اقرار کیا اور ہمیشہ اقرار کرتے رہتے ہیں، کاہلوں کو اپنے جسم کے پالنے میں

---

[۱] کائنات روحانی از مولانا مناظر احسن گیلانی ص۵

تکلیف ہوتی ہو تو ہو، ان کے پچھتر فی صدی افراد کو چوبیس گھنٹوں کے اندر دو دفعہ بھی پیٹ بھر کر کھانا نہ ملتا ہو تو نہ ملے لیکن قدرت پر یہ الزام غلط ہے، رونا اپنی عملی قوتوں کی بیکاری پر چاہیئے، ماتم ان زنگ آلود جمودی طاقتوں پر کرو جو ان سب میں ہیں لیکن آہ کہ کچھ دنوں سے کسی میں نہیں، ان کے پاس اگر سردی سے بچنے کے لئے اچھے کپڑے نہیں ہیں تو یہ جھوٹ ہے کہ خزائن السموات والارض میں ایسے کپڑے نہیں ہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ اس خزانے سے حاصل کرنے کے لئے جس سعی اور کوشش کی ضرورت ہے وہ ان میں نہیں ہے[1]"

تسخیر بالفعل اور تسخیر بالقوۃ

اور اگر ہم "تسخیر" کو تسخیر بالفعل اور تسخیر بالقوۃ (یعنی سردست اس وقت چیزوں پر قابو پانے کی صلاحیت اور آئندہ کے لئے مخفی استعداد) کے ساتھ تقسیم کریں تو انسان کی صلاحیتوں اور استعدادوں کی کوئی حد و انتہا نہیں رہتی اور معلوم کائنات میں اس سے زیادہ باعظمت، پر شوکت، اور بلند ہستی کوئی نہیں قرار پاتی، آخر جس ذات گرامی کو پروردگار عالم اپنا خلیفہ قرار دے اور جس سے برابری کی اگر فرشتے بھی سوچیں تو انہیں بھی دوٹوک جواب دیکر خاموش کردے اس کی عظمت و بڑائی اور بلندی و رفعت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ نبیٔ امین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما خلق اللّٰہ ادم و ذریتہ قالت   جب اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام

---

[1] کائنات روحانی صـ۶

الملائکۃ یارب خلقتھم یاکلون ویشربون وینکحون ویرکبون فاجعل لھم الدنیا ولنا الآخرۃ قال اللہ تعالیٰ لا اجعل من خلقتہ بیدی ونفخت فیہ من روحی کمن قلت لہ کن فکان (رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن جابر رضؓ)[1]

اور ان کی اولاد کو پیدا کیا تو فرشتے کہنے لگے کہ اے پروردگار! تو نے انھیں کھانے پینے اور بیاہ شادی کرنے اور سواری کرنے والا بنایا ہے، تو انھیں (صرف) دنیا دیدے اور ہمارے لئے آخرت مخصوص کردے، پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا (تم ان کی برابری کرنا چاہتے ہو؟) جس (ذاتِ گرامی) کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور پھر اس میں اپنی روح پھونکی اسے اس (مخلوق) کے برابر کبھی نہیں کروں گا جسے میں نے ایک حرف کن کہہ کر پیدا کیا ہو (یعنی تم فرشتے)

انسان خدا کا خلیفہ

یہ جواب خدائے پاک نے کس کو دیا؟ ان فرشتوں کو جن کے ہاتھوں میں ہواؤں کا نظام ہے، جن کے ہاتھوں میں تمام جانداروں کی موت اور زندگی کا مسئلہ ہے، جن کو خدا نے پہاڑوں پر نگار رکھا ہے جن کے اشاروں پر چاند اور سورج

لہ مشکوٰۃ ص ۵۱۰ باب بدء الخلق۔

اور ستارے ایک حقیر کٹھ پتلی کی طرح ناچتے ہیں اور جو اس کل کائنات کی گویا روح رواں ہیں لیکن فرشتوں کے مقابلہ میں انسان کو یہ مقام کیوں نہ دیا جائے؟ اس حضرت انسان کی خاطر فرشتوں کو یہ جواب کیوں نہ ملے؟ ان کا یہ اشکال ہی درست نہ تھا کیونکہ وہ کتنی ہی بڑی سے بڑی خدمت انجام دیتے بھی لیکن ان کی حیثیت اس کائنات میں ادنیٰ خدمت گاروں سے زیادہ نہیں ہے اور انسان! اللہ اکبر انسان خدا کا خلیفہ اور نائب ہے، فرشتے اگر کائنات کی روح ہیں تو انسان کائنات کا حاکم و نگراں ہے۔ جو درجہ تمام فرشتوں اور تمام کائنات کے مقابلہ میں خدا کا ہے وہی درجہ خدا کے بعد دوسرے نمبر پر خدا کے نائب اور خلیفہ انسان کا ہے جہاں جہاں خدا کا حکم اور تصرف ہے وہیں وہیں اس کے خلیفہ کا ہوگا اور مالک کے ملک میں جو اختیارات خدا کے ہوں گے وہی نمبر دو پر اس کے خلیفہ کے ہوں گے اب جہاں جہاں بھی خدا کا ملک ہے وہیں وہیں اگر انسان پہنچے، رہے سہے، وہاں کی چیزوں میں وہاں کی زمینوں میں تصرفات کرے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اور اس میں نئی بات کیا ہے، یہ بات تو خدا نے انسان کے پیدا ہونے سے بھی پہلے فرشتوں سے کہہ دی تھی کہ میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو لفظ خلیفہ کی وسعت میں تو اتنا کچھ آجاتا ہے کہ جس کا تصور بھی مشکل ہے۔

تسخیر زمین کی تمام چیزوں کی

سورہ حج کی اس آیت میں خدائے پاک نے صرف زمین کی چیزوں کا مسخر ہونا بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ — تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بس میں

مَا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ (الحج ۶۵)

کردیا ہے تمہارے جو کچھ ہے زمین میں اور کشتی کو جو چلتی ہے دریا میں اس کے حکم سے۔

تسخیر یہاں پر صرف زمین کی چیزوں کی ہے لیکن ایک درجہ اور ترقی کرکے دوسری جگہ ارشاد ہے:

تسخیر رات اور دن کی

وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ (ابراہیم ۳۳)

اور کام میں لگا دیا (مسخر کر دیا) تمہارے لئے رات اور دن کو

تسخیر چاند، سورج اور ستاروں کی

تیسری جگہ تسخیر کی حدود کو اور وسیع کرتے ہوئے سورج، چاند اور تمام تاروں کا انسان کے لئے مسخر ہونا بیان ہوتا ہے ایک آیت میں ہے:

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی (لقمٰن۔ ۲۹)

اور مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو ایک مقررہ وقت تک

"مقررہ وقت" سے مراد یا تو قیامت لی جائے کیونکہ قیامت میں یہ تمام نظام درہم برہم ہونے والا ہے اور یا مقررہ وقت سے دن رات میں چاند اور سورج کے اوقات معینہ مراد ہیں کہ ایک دورہ پورا کرنے کے بعد گویا از سر نو چلنا شروع کرتے ہیں دونوں ہی قول علماء تفسیر کے یہاں ملتے ہیں[1]

---

[1] دیکھئے حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی ص ۵۳۷

ایک دوسری آیت میں ارشاد ربانی ہوتا ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِهٖ (النحل ۱۲)	اور مسخر کردیا تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو اور ستارے کام میں لگے ہیں اس کے حکم سے۔

اس آیت میں رات اور دن چاند اور سورج اور تمام تاروں کا مسخر ہونا بالکل صاف اور واضح طور پر آگیا۔

ایک نکتہ یہاں ایک لطیف چیز کی طرف توجہ دلانا اہل علم کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ آیت میں الشمس والقمر والنجوم کی ترکیبیں علامہ ابوالبقاء نے دو کی ہیں اول تو یہ کہ بطور استیناف ان تینوں کو مبتدا بنا کر مرفوع پڑھا جائے اور مُسَخَّرَاتٌ کو خبر قرار دیا جائے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ اللیلَ والنہارَ کی طرح تینوں کو منصوب پڑھا جائے اور مسخرات کو ان سے حال بنایا جائے[1]، ــــ اس دوسری ترکیب کے لحاظ سے یہاں ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان تمام چیزوں کے انسان کے لئے مسخر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان انھیں جس طرح چاہے استعمال کرلے بلکہ یہ تمام خدائے احکم الحاکمین کے ارادے اور مشیت میں رہتے ہوئے انسانوں کے لئے مسخر ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ان

---

[1] املاء مامن بہ الرحمٰن لابی البقاء ۲/۷۹ (مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۸۰ھ) وتفسیر الجلالین ص ۲۱۶۔

سے ان کے طبعی حالات کے خلاف یا ان کی گردش گاہوں سے ہٹا کر یا ان کی فطری خاصیتوں کے خلاف نفع حاصل نہیں کر سکتا بلکہ خدا کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہی نفع اٹھا سکتا ہے۔ یہ تمام خدا کے ارادے اور اس کی مشیت کے تابع رہتے ہوئے انسان کے لئے مسخر ہیں۔ اور یہی تقاضہ ہے خدا کے اصل ہونے اور انسان کے خلیفہ ہونے کا۔

تسخیر تمام کائنات کی

یہ انسان بیچارہ صرف اس زمین کو تھوڑا بہت جانتا ہے پھر اور آگے بڑھتا ہے تو دن رات ہوتے دیکھتا ہے اوپر نظر اٹھاتا ہے تو سورج اور چاند نظر آجاتے ہیں اور بہت سے بہت فضا میں بکھرے ہوئے یہ آنکھ مچولی کھیلتے ستارے نظر آجاتے ہیں اور بس ان ہی کے اس نے اپنی بول چال میں نام رکھ لئے ہیں لیکن بات اگر کچھ اور آگے کی کی جائے تو کس طرح کی جائے اس کی جانی پہچانی زبان میں تو اس سے وسیع مفہوم ادا کرنے کے لئے الفاظ ہی نہیں ہیں اور اس کی تسخیر کی حدیں ابھی اور بہت باقی ہیں لہٰذا خدائے پاک نے اس سے اگلا اور اس سے وسیع مفہوم ادا کرنے کے لئے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (لقمٰن ۲۰)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

یعنی زمین و آسمان کی تمام موجودات انسان کے ماتحت اور تابع ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (جاثیہ ۱۳)

اور مسخر کر دیا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین ہے سب کا سب" اپنی طرف سے"۔

یعنی انسان تمام کائنات کا افسردہ حاکم ہے لیکن یہ نہ تو اس کا ذاتی کمال ہے اور نہ کسی اور ہستی کا فیض ہے بلکہ یہ سب کچھ خدا کا عطیہ اور اسی کی دین ہے اسی نے اپنے فضل و کرم سے چاند، سورج اور ستارے مسخر کر رکھے ہیں انسان ان سے دور سے نفع اٹھانا چاہے دور سے اٹھائے جیسا کہ اب تک کرتا رہا ہے اور چاہے تو قریب پہنچ کر ان سے فائدہ اٹھائے یہ کبھی اس کے تابع ہونے سے نہ پھریں گے۔

حیرت ہوتی ہے کہ اتنی صاف اور صریح آیتوں کو پڑھنے والا مسلمان بھی ایک ذرا سے چاند کی تسخیر پر حیرت و تعجب کرتا ہے حالانکہ ان آیات کی توضیح کے لئے ابھی خدا جانے اور کیا کیا کچھ ہونے والا ہے ؎

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

(اقبال)

اسلام میں چاند اور سورج کا مقام

قرآن کریم نے یہ بات کئی جگہ واضح کی ہے کہ یہ چاند اور سورج اور یہ ستارے خدا کی بہت سی مخلوقات میں ایک مخلوق ہیں اسی کے تابع فرمان ہیں یہ اپنے ارادہ و اختیار سے کچھ بھی نہیں کر سکتے اور ظاہر ہے کہ جب یہ اپنے بارے میں بالکل بے اختیار اور مجبور محض ہیں تو کسی اور کے کیا کام آسکتے ہیں اس لئے نہ ان سے اپنی مرادیں مانگنے کی اجازت ہے اور نہ ان کو کوئی قابل احترام چیز مانا گیا ہے۔

الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السمٰوات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس (الحج ۱۸)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں وہ تمام جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان۔

ومن اٰیاتہ اللیل والنہار والشمس والقمر لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقہن (حٰم السجدہ ۳۷)

اور اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند سجدہ نہ کرو سورج کو اور سجدہ نہ کرو چاند کو بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ یعنی زمین آسمان چاند اور سورج یہ سب خدا کو پہچاننے کے نشانات ہیں تاکہ اس کے عظیم الشان نظم و نسق

کے ذریعہ خدا کی قدرت و عظمت کا پتہ چلے، انسان کو چاہئے کہ ان تکوینی نشانیوں میں الجھ کر نہ رہ جائے جیسے بہت سی قومیں رہ گئی ہیں بلکہ ان کے ذریعہ اصل حقیقت تک پہنچے اور اس پوری کائنات کے خالق و مالک کے آگے سر جھکائے۔

مادی انکشافات مسلمانوں کیلئے قطعاً کوئی عجیب چیز نہیں ہے

جو شخص قرآن و حدیث سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہو اور تاریخ اسلام پر بھی اس کی تھوڑی بہت نظر ہو اس کے لئے یہ بات دنیا کے چند گنے چنے عجائبات میں سے ایک اعجوبہ ہوگی کہ امت مسلمہ کا کوئی فرد مغرب کی مادی تحقیقات اور خلائی انکشافات کو بنظر تعجب دیکھے اور اس بات پر تو وہ سر پیٹ لے گا کہ جو چیز نہ عقلاً محال ہو نہ شرعاً ممنوع ہو اور وہ مشاہدہ میں آچکی ہے اس کے امکان و عدم امکان کی بحث کوئی اور نہیں مسلم قوم کا ایک فرد چھیڑے

وہ قوم جس نے سیکڑوں برس تک اس وقت دنیا کو سائنس کا سبق دیا جبکہ یورپ دہشت و بربریت کا شکار تھا۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ "اہل انصاف محققین یورپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جس وقت یورپ دہشت و بربریت کا

شکار تھا اس وقت قرطبہ اور بغداد سائنس میں عروج پر تھا، رصد گاہیں قائم کی جا رہی تھیں طبعیات و فلکیات میں مسلمان ترقی کر رہے تھے، ریاضی اور ہیئت میں نئی نئی صورتیں پیدا کی جا رہی تھیں، الجبرا مسلمانوں کی ایجاد ہے، ہوائی جہاز بھی غبارہ کی شکل میں مسلمانوں نے ایجاد کیا، شمسی مہینوں کو موسم کے ساتھ موافقت دینا کسی مہینہ کو ۲۸ دن کبھی ۲۹ دن کا قرار دینا اور اس طرح شمسی مہینوں کو موسم کے مطابق کر دینا مسلمانوں ہی کا کام تھا، گھڑی گھنٹہ مسلمانوں نے ایجاد کیا، خلیفہ ہارون الرشید کا گھنٹہ اب تک پیرس میں موجود ہے جو خلیفۂ اسلام نے شاہِ فرانس کو بطور تحفہ بھیجا تھا، خلیفہ ہارون الرشید کے باغ میں سونے کی چڑیاں درختوں پر بٹھلائی گئی تھیں، خلیفہ ہارون الرشید جب باغ میں تشریف لاتے بٹن دبانے سے سب چڑیوں کے منہ سے "ادخلوھا بسلام آمنین[1]" کی آواز نکلتی تھی، بندوق سب سے پہلے سلطان بابر کے ہاتھ میں دیکھی گئی، قلعہ شکن توپوں کی نظیر منجنیق مسلمانوں نے[2] ایجاد کی تھی، ڈاک کا انتظام بھی اس وقت سے اچھا تھا، حجاج بن یوسف نے تین دن میں ایک منجنیق جس کا نام عروس تھا کوفہ سے کراچی پہنچا دی تھی، گھوڑوں کی ڈاک سے وہ کام لیا گیا جو آج کل ریلوں سے بھی نہیں ہو سکتا، کبوتروں کی ڈاک اس سے بھی زیادہ

---

[1] یہ قرآن کریم کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے، یعنی "امن و سلامتی کے ساتھ تشریف لائیے" یہ الفاظ جنتیوں سے جنت میں داخلے کے وقت کہے جائیں گے۔ [2] یہ خبر محل تأمل ہے اس لیے کہ منجنیق سب سے پہلے ابراہیم کو آگ میں ڈالنے کیلئے استعمال ہوئی ہے۔ معالم وغیرہ البتہ مسلمانوں نے اس کو بہتر شکل دی ہے۔

تیز رفتار تھی، غرض جس زمانے میں یورپ سائنس دانوں کو سولی پر چڑھا رہا تھا یا آگ میں جلا رہا تھا[1] اس وقت مسلمان سائنس میں برابر ترقی کر رہے تھے، بحری جہاز گو اس وقت آج سے بہتر نہ تھے مگر یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے ان ہی جہازوں سے تمام دنیا کو روند ڈالا تھا اور وہاں پہنچے جہاں اب تک یورپ کے جہاز نہیں پہنچ سکے۔ ابن بقلون سد سکندری تک پہنچ گیا جس کا اب تک اہل یورپ کو پتہ نہیں چلا۔ امریکہ کی دریافت کا سہرا بھی عربوں کے سر ہے، وہ کولمبس سے پہلے امریکہ پہنچ گئے تھے، یوروپین نومسلم خالد شیلڈرک نے رنگون میں اپنی ایک تقریر میں یہ واقعہ بیان کیا تھا کہ جب کولمبس کا جہاز امریکہ پہنچا ہے تو وہاں ایک بستی میں عرب آباد تھے جو عربی بولتے تھے، یورپ نے اس حقیقت پر پردہ ڈال کر کولمبس کے سر پر امریکہ کی دریافت کا سہرا باندھ دیا۔ کیمیا اور طب میں مسلمانوں کی معلومات اور ایجادات سے یورپ نے سبق لیا، ریاضی، ہندسہ، حساب میں بھی ان کی رہنمائی کے محتاج ہوتے، چنانچہ ان علوم کی بعض اصطلاحات اب تک عربی ہی میں بیان کی جاتی ہیں[2] آئے دن رسالوں ماہناموں، ڈائجسٹوں اور اخبارات وغیرہ میں اس قسم کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جن میں تفصیل سے مسلمانوں کی حیرت انگیز ایجادات و عجیب و غریب مصنوعات کا ذکر ہوتا ہے، یہاں یہاں تمام ایجادات کا نہ جمع کرنا مقصود ہے اور

---

[1] اس کی کچھ تفصیل آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں دیکھئے ص۵۲ تا ص۵۴

[2] "سائنس اسلام کے نقطۂ نظر سے" از مولانا ظفر احمد عثمانی مدظلہ۔ شائع شدہ پندرہ روزہ میقات مورخہ یکم و ۱۶ مئی ۶۹ء

نہ اس سے کچھ فائدہ ہے جب ہم سے آج کچھ نہیں ہوتا تو فضول کل کے قصوں تذکروں اور باپ دادوں کی کہانیوں سے بھی کچھ حاصل نہیں ؂

تھے تو آباوہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

یہاں پر یہ چند چیزیں اس لئے سامنے لائی گئیں تاکہ ہم اندازہ کرسکیں کہ جو دور اسلامی حیثیت سے آج کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر تھا اس وقت ہم زندگی کے ہر میدان میں کتنا شریک ہوتے تھے اور آج ہم کہاں ہیں ایک وہ دور تھا جبکہ بلند سے بلند کارنامے کرکے ہم دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے اور ایک آج کا دن ہے کہ معمولی سے معمولی چیز بھی ہم حیرت و تعجب سے دیکھتے ہیں اور دوسروں کی حقیر سے حقیر صناعی اور کاریگری کو بڑا عظیم کارنامہ تصور کرتے ہیں۔

یہاں پر مجھے یہ بتانا مقصود ہے کہ دنیا والے جو کچھ مادی ترقی آج تک کرچکے ہیں وہ بھی قرآن کریم کی بیان کردہ تسخیر عالم کے تحت تھا اور آئندہ جو کچھ اس سے بھی بڑھ کر ترقیات ہونے والی ہیں وہ تمام بھی تسخیر عالم کے تحت ہوگا، قرآن حکیم نے بار بار اعلان کیا ہے کہ یہ کل کائنات یہ چاند و سورج یہ روشن ستارے، یہ پہاڑ یہ دریا، یہ ہوائیں اور یہ شب و روز سب تمہارے لئے مسخر ہے تابع ہے حتیٰ کہ فرما دیا سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ[۱] جو کچھ بھی زمین میں ہے اور جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے یہ سب کا سب اور کل کا کل اللہ نے تمہارے لئے مسخر اور تابع کردیا ہے"

---

[۱] سورۂ جاثیہ آیت ۱۳

اب اگر انسان اس زمین کی یا آسمان کی کسی بڑی سے بڑی طاقت پر بھی اپنا قبضہ جمالے اور اپنے تحت میں لے لے تو یہ اس کا کوئی ذاتی کمال نہ ہوگا بلکہ اللہ کا کرم سمجھا جائے گا کہ اس نے پہلے ہی سے ہر شئے کو انسان کے تابع بنا دیا ہے اب آگے انسان کی کوشش و محنت کی بات ہے جس قدر چاہے محنت کرے اور ترقی کر لے ے

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن یہ نکتہ کہ گردوں سے زمیں دور نہیں ہے
(اقبالؒ)

کل اگر انسان اتنی ترقی بھی کر لے کہ خلا میں بکھرے ہوئے ان تمام ستاروں میں پہنچ جائے بلکہ وہاں بس جائے تب بھی کوئی انوکھی بات نہیں ہے حتیٰ کہ اگر ستاروں کی آمد ورفت کسی دن اتنی سہل اور تیز ہو جائے کہ نیویارک کا ایک باشندہ شام کو تفریح کے لئے نکلے تو مریخ ہو آیا کرے اور رات کو اپنے گھر آسوئے یا مثلاً اگر شیونگ کا بلیڈ یہاں سے اچھا مشتری میں ملتا ہو اور صبح اٹھ کر دفتر جانے سے پہلے وہ مشتری سے بلیڈ لا کر استعمال کر لیا کرے تب بھی یہ بات گو آج عجیب نظر آتی ہو لیکن ناممکن نہیں۔ اس سے بڑھ کر اگر یہ مشتِ خاک انسان اس جہنم کے شعلے سورج کو بھی نہ بخشے جس کی حرارت سے خود اس کا اپنا مادہ ہانڈی کے کھولنے کی طرح میلوں اچھل رہا ہے اور یہ وہاں جا کر رہ پڑے اور اس کی حرارت کا بھی کوئی علاج کرلے (جس کا ابھی تک سائنس داں تصور بھی نہیں کر سکے ہیں) تب بھی اسلام اور قرآن ان دونوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بنظرِ تعجب دیکھنے کو تیار نہیں بلکہ اگر کسی دن انسان وہ کارنامے بھی انجام دے جن کا ابھی ہمارے زبان وقلم اظہار بھی نہیں کر سکتے اور دل و دماغ ان کے تصور تک سے ناآشنا ہیں تب بھی اسلام کے نزدیک وہ دن کوئی زیادہ ہوگا بلکہ

ہوسکتا ہے کہ جب انسان تھک کر ہمت ہار کر بیٹھ رہے تو لا تقنطوا کہہ کر آگے بڑھنے کی ہمت بھی خود قرآن ہی دلائے، قرآن کا شارح تو خود کہہ چکا ہے کہ

لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا منھا شربۃ	اگر خدا کی نظر میں اس پوری دنیا کا وزن (مچھر نہیں) ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتا تو کسی اپنے نافرمان و باغی بندے کو ایک گھونٹ (پانی) نہ پلاتا
(رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ عن سہل بن سعدؓ) [1]	

تو جو خدا و رسولؐ پوری دنیا کو مچھر کے پر کے برابر وزن نہ دیں وہ ایک ذرہ بے مقدار کو پھاڑ کر ایٹمی طاقت تیار کرنے کو کوئی حیثیت دیں گے؟ اور اسے کوئی عظیم کارنامہ قرار دیں گے؟ —— افسوس! مسلمان ان چیزوں کو صرف اس لئے وزن دینے لگا کہ یہ کسی بھی کرت کا نہ رہا ہے

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو

یہ نہ دنیا میں کوئی کارنامہ انجام دینے کی ہمت کرتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس پوری طرح اپنا دین رہ گیا ہے ؎

ہاتھوں سے اپنے دامنِ دنیا نکل گیا
رخصت ہوا دلوں سے خیالِ معاد بھی
قانونِ وقف کے لئے لڑتے تھے شیخ جی
پوچھو تو وقف کے لئے ہے جائداد بھی؟

---

[1] مشکوٰۃ ص۴۴۱

چاند کا سفر

"چندا ماما دور کے" ایک ایسا پرانا اور مشہور مقولہ ہے کہ شاید ہی کوئی بچہ ہو جس نے بچپن میں اپنی نانی اماں یا دادی اماں سے یہ نہ سنا ہو لیکن ان بچوں نے جب بڑے ہو کر خداداد سمجھ بوجھ اور ہمت و محنت سے کام لیا تو یہ دور کے ماما اتنے نزدیک آگئے کہ "بھانجے راجہ" کو کاندھوں پر ہی لے لیا۔

دے ولولۂ شوق جسے لذت پرواز کر سکتا ہے وہ ذرہ مہ و مہر کو تاراج

چنانچہ امریکی خلابازوں نے ۲۱ر جولائی ۱۹۶۹ء کی صبح کو ہندوستانی وقت کے مطابق ۸ بجکر ۲۷ منٹ پر چاند کی سطح پر قدم رکھا اور دنیا کی تقریباً ایک تہائی آبادی نے اس منظر کو ٹیلی ویژن پر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اکثر آبادی نے آنکھوں دیکھا حال انگریزی، اردو اور دوسری زبانوں میں اپنے کانوں سے سنا، خلابازوں نے وہاں امریکی جھنڈا نصب کیا اور ٹیلی ویژن، کیمرے اور دوسرے آلات وہاں رکھ کر اور ۲۲ر جولائی کو کامیابی کے ساتھ واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

ہر ملک و مذہب اور قوم و ملت کے ان افراد نے تو اس واقعہ کو جلدی مان لیا جو مذہب کی صحیح سوجھ بوجھ کے ساتھ عقل و شعور بھی رکھتے تھے لیکن جو لوگ کم علم اور قدیم اوہام و خیالات کے تھے وہ اس میں طرح طرح شکوک و شبہات لانے لگے۔

شبہات تو معقول اور غیر معقول بہت سے کانوں میں پڑتے رہے جن میں سے اکثر شبہات انشاء اللہ ہماری معروضات سے پوری طرح صاف ہو جائیں گے لیکن ایک شبہ جو متعدد لوگوں کو ہوا اس کی بنیاد مندرجہ ذیل آیت ہے جس

کے نہ معلوم کیا کیا مطلب سمجھے گئے ہم یہاں مختصراً اس کے متعلق کچھ لکھتے ہیں
سورہ رحمٰن کی آیت کریمہ ہے۔

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ	اے گروہ جن اور انسان کے اگر تم کو
اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ	یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین
أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ	کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو
فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ	(ہم بھی دیکھیں) نکلو مگر بدون زور کے
إِلَّا بِسُلْطَانٍ	نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں)[1]

(آیت ۳۳)

اس آیت کے صاف مطلب دو ہو سکتے ہیں:۔

(۱) ایک تو یہی جس کی طرف ترجمہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی حدود سے کہیں باہر پھلانگ جانا نہ انسان کے بس کا ہے اور نہ جنات کے

(۲) دوسرے مطلب کا خلاصہ یہ ہے کہ اے جن و انس! تم اس کائنات میں جہاں بھی پہنچو گے خدائی سلطنت پاؤ گے ایسا کبھی ممکن نہیں کہ تم کسی ایسی سرحد پر پہنچ جاؤ جس کے بعد خدائی سلطنت نعوذ باللہ ختم ہو جاتی ہو۔

یرید حیث توجهتم کنتم	مراد یہ ہے کہ تم جہاں بھی جاؤ گے
فی ملکی و سلطانی	میری ہی سلطنت اور میرا ہی ملک
(معالم صـ ۸۶۷)	پاؤ گے۔

---

[1] ترجمہ از مولانا تھانویؒ

اب غور کیجئے کہ چاند یا کسی دوسرے سیارے پر پہنچنا یا اس سے بڑھ کر کائنات کے کسی دور سے دور کرے تک پہنچنا نہ تو زمین و آسمان کی حدوں سے نکل جانا ہے اور نہ نعوذ باللہ خدائی سلطنت سے آزاد ہو جانا ہے، پھر یہ آیت خلاف کیسے ہوئی؟ بلکہ سچ پوچھئے تو اس آیت میں اشارہ اس بات کے امکان کی طرف ہے کہ انسان زمین و آسمان کے مختلف گوشوں تک پہنچ سکتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خدائی سلطنت سے باہر نہیں جا سکتا، جہاں بھی پہنچے گا خدا ہی کا ملک ہوگا

الملك لله الواحد القهار

مذکورہ بالا آیت کے مطالب اور بھی کئی ہو سکتے ہیں اور علماء تفسیر نے لکھے بھی ہیں مگر آیت کسی بھی طرح خلائی پروازوں کے خلاف نہیں پڑتی۔

کسی اور مذہب والوں کے بارے میں تو یہ بات کچھ عجیب نہیں کہ انھوں نے اس کام کو ناممکن کہا لیکن حیرت تو ان بعض مسلمانوں پر ہے جو اس واقعہ کو سن کر جلدی سے ماننے کو تیار نہ تھے اور خدا جانے کیوں اس سے قرآن و حدیث کا (نعوذ باللہ) غلط ثابت ہونا سمجھ رہے تھے اور بہت سے تو اب تک شک و تذبذب میں پڑے ہوئے ہیں۔

پیچھے جو تفصیلات عرض کی گئیں ان کے پیش نظر ظاہر ہے کہ یہ بات قطعاً کسی بھی طرح پریشان ہونے اور شک و شبہ کرنے کی نہ تھی لیکن کتنے لوگ اس دیوانگی میں بھی مبتلا تھے کہ ماننے والوں کے ایمان کو کمزور اور ان کی دینداری کو مخدوش سمجھتے تھے، اس موقع پر میرے[1] والد صاحب مدظلہ نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ

---

[1] مولانا محمد رحمت اللہ صاحب میرٹھی ثم دہلوی دام مجدہم

"جب قرآن نہ منع کرے، حدیث چاند میں جانے کی مخالفت نہ کرے تو ہمیں کیا شرمندگی اور کیا کھسیانہ پن؟ مادی اسباب پر اربوں[1] روپیہ خرچ کرکے چاند پر جانا اور کچھ ڈھیلے پتھرے آنا بڑی بات ہے یا زمین پر کھڑے کھڑے چاند[2] کے دو الگ الگ ٹکڑے کرکے دکھا دینا بڑی بات ہے جس کو دنیا نے دیکھا تاریخ فرشتہ میں اس کا ذکر موجود ہے اور کہتے ہیں کہ مالابار کے مہاراجہ[3] کے اسلام کا یہی سبب تھا"

پچھے آپ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے ایک مضمون کا اقتباس پڑھ آئے

---

[1] اگست ۱۹۶۴ء میں سائنسدانوں کے چاند تک پہنچنے کی کوششوں میں خرچ ہونے والی رقم کا اندازہ پندرہ کروڑ (ایک کھرب پچاس ارب) روپے لگایا تھا۔
(اخبار مدینہ ۲۱ راگست ۶۴ء)

[2] اس کی تفصیلات کے لئے دیکھئے روح المعانی ص ۲۷/۲ خازن ص ۲۱۶/۴ جمل ص ۲۴۰/۴ جلالین ص ۴۴۰ مدارک ص ۲۰۱ (مصری) حواشی مولانا شبیر احمد عثمانی ص ۲۸۵ وغیرہ

امام طحاوی حافظ ابن کثیر علامہ سبکی اور علامہ علاؤ الدین خازن وغیرہم نے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے اور موجودہ خلائی تحقیقات سے اس کی تائید ہوتی ہے (تنبیہ) بہت مشہور ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی کے اشارے سے کئے تھے لیکن یہ انگلی کے اشارے کا ثبوت کسی مستند روایت سے نہیں ہے جیسا کہ علامہ آلوسی نے بھی اپنی تفسیر روح المعانی ص ۲۷/۵ میں لکھا ہے۔

[3] تواریخ میں اس کا نام راجہ بھوج ملتا ہے کسی صاحب کے پاس اگر راجہ بھوج کے حالات نیز یہ ایک ہی راجہ تھا یا اس لقب کے کئی راجہ تھے کہاں کہاں تھے ان کے اسلام لانے کی تفصیلات اور معجزہ شق القمر کی شہادتوں سے متعلق معلومات ہوں تو وہ مجھے فراہم کرکے ممنون فرمائیں (مؤلف)

ہیں جس کے اخیر کے چند جملے ہیں:-

"چاند کے اوپر انسان کا پہنچنا، رہنا، بسنا، اور وہاں کی معدنیات وغیرہ سے نفع اٹھانا وغیرہ میں سے کوئی چیز مشاہدہ سے ثابت ہو جائے تو انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔"[1]

اس موضوع پر اب اور کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں گذشتہ معروضات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ چاند پر پہنچنا کوئی ترقی کی انتہا نہیں بلکہ خلائی پرواز کا پہلا قدم ہے اور اہلِ ایمان کے نزدیک تو اصل کامیابی کے لحاظ سے یہ کوئی اقدام ہی نہیں ہے ؎

فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن　　قدم اٹھا یہ مقام انتہائے راہ نہیں

مریخ کی دنیا

ہم پیچھے کہہ چکے ہیں کہ اس کائنات میں دو چار دس پانچ نہیں ہزار دو ہزار نہیں لاکھوں بلکہ کروڑوں کرات میں آبادی کا امکان ہے اور اتنی بات تو قرآن سے تقریباً صاف طور پر ثابت ہے کہ اس زمین کے علاوہ بھی آبادی ہے لیکن کہاں ہے؟ اس سلسلہ میں قرآن نے سکوت اختیار کیا ہے لہٰذا مریخ یا زہرہ یا کسی اور سیارے کا نام لے کر گو از روئے سائنس کہنا درست ہو مگر از روئے قرآن کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پس اگر ثابت ہو جائے تو قرآنی بیان کیلئے شہادت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر نہ ثابت ہو نہ مریخ میں ثابت ہو اور نہ ہمارے اس پورے نظامِ شمسی میں ثابت ہو حتیٰ کہ کروڑوں سیاروں اور ستاروں

---

[1] البلاغ کراچی محرم ۱۳۸۹ھ - مختصراً

میں بھی آبادی ثابت نہ ہو سکے تب بھی قرآنی بیان پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا اس لئے کہ اس نے متعین طور پر کسی سیارے یا ستارے کا پتہ نہیں دیا ہے البتہ موجودہ سائنس نے بعض اس قسم کے دعوے بھی کئے ہیں جن کی رو سے ستاروں کی ایک مخصوص تعداد میں آبادی کا ثبوت ہوتا ہے مشہور برطانوی سائنسداں ڈیمسونڈ کنگ ہیلے نے رائل ایرکرافٹ ایسٹیبلشمنٹ فارن برو (شمالی انگلستان) میں خلائی سلسلہ میں تحقیقی کام کرکے بتایا ہے کہ ہماری قریب ترین کہکشاں میں کم از کم ایک کھرب ستارے (یعنی سورج) موجود ہیں اور ان میں سے دس ارب ستاروں کے گرد ہمارے سورج کی طرح نظامہائے شمسی ہیں۔ اور پانچ ارب سورجوں کے گرد سکونت کے قابل سیارے ہیں اور ڈھائی ارب سورجوں کے گرد سیاروں پر زندگی بھی موجود ہے ان میں سے دو سو سورجوں کے سیاروں کے باشندے اپنے یہاں سے مختلف قسم کے (SIGNAL) اشارات بھیجتے ہیں۔

مریخ سے متعلق تحقیقات میں بعض ان گیسوں کا پتہ چلتا ہے جن سے زندگی کا امکان ثابت ہوتا ہے۔ بات اگرچہ ابھی تک امکان و احتمال تک ہی ہے کوئی ثبوت کمزور درجہ کا بھی اہل سائنس کو مریخ پر زندگی کا نہیں ملا ہے[1] لیکن اگر مریخ یا کسی اور سیارے یا ستارے پر کسی زندہ مخلوق کا ثبوت مل جائے تو کلام الٰہی پر ایمان اور پختہ ہو جائیگا جس میں کہا گیا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ
فِيْهِمَا مِنْ دَابَّةٍ وَّهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاءُ
قَدِيْرٌ ؕ

---

[1] آج کل بعض رسائل میں مریخ پر زندگی کا ثبوت دیکھنے میں آرہا ہے۔

آیت اپنے تمام متعلقات کے ساتھ پیچھے گذر چکی ہے۔

مریخ اور قرآن قرآن کریم کا یہ اسلوب واضح کیا جا چکا ہے کہ وہ جس چیز کی قسم کھاتا ہے اس کی کسی غیر معمولی اہمیت کی طرف اشارہ کرنا منظور ہوا کرتا ہے چنانچہ سورۃ التکویر میں چند عجیب پر اسرار سیاروں کی قسم کھائی گئی ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ	قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے والوں
الْكُنَّسِ (سورۃ ۸۱ آیت ۱۵-۱۶)	سیدھے چلنے والوں دبک جانے والوں کی

ان سیاروں سے مفسرین نے یہ پانچ سیارے مراد لئے ہیں۔ زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد۔ اس آیت کے تحت علامہ جوہری طنطاوی جیسے بعض جدید مفسرین نے مریخ کے سلسلہ میں ہونے والی تحقیقات کا ذکر کیا ہے لیکن ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ خدائے علیم وخبیر نے ان سیاروں کی کون سی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے مستقبل میں اس راز کے کھلنے کی توقع ہے۔

زندگی کے میدان میں

انسان جب اس دنیا میں آیا ہے تو ضروری ہے کہ یہاں پر رہنے سہنے کے طریقے بھی سیکھے جس زمین پر بستا ہے اس کے متعلق باخبر بھی ہو زندگی کے بقاء کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں ان کو حاصل کرے اور اگر کوئی قوم بحیثیت ایک قوم کے اس زمین پر زندہ رہنا چاہتی ہے تو اس کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں اب کرنے کے کاموں کی فہرست اور طویل ہو جاتی ہے، اس کے لئے لازم ہو جاتا

ہے کہ وہ اپنے لیئے کسی ایک میدان کو چھانٹ لینے کے بجائے زندگی کے ہر ہر میدان میں قدم رکھے کائنات کی ہر شے سے اپنا ایک گہرا رشتہ سمجھے جدید علوم و فنون میں سے ہر ایک میں پوری طرح شریک ہو۔

یہ ذمہ داریاں تو اس قوم کی ہیں جو صرف اپنے آپ کو اس زمین پر زندہ رکھنا چاہتی ہے لیکن جو قوم دنیا کی قوموں کو زندہ رہنا سکھائے ان کی قیادت کرے جب قومیں تھک کر پیچھے رہ جائیں تو انھیں سہارا دے جب وہ بگڑنے لگیں تو ان کی اصلاح کرے وہ محتاج ہوں تو ان کی حاجت روائی کرے جو بے سہارا ہوں ان کا سہارا بنے، غرض ہر انسان بلکہ ہر جاندار اور اس سے بڑھ کر ہر مخلوق کے لئے امن اور سلامتی کی علمبردار ہو اس کی ذمہ داریوں کا کیا پوچھنا ہے اس قوم کے لئے تو ضروری ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں آخری حد پر کھڑی ہوئی نظر آئے دنیا کی دوسری قوموں کی رہنمائی ایک مشفق استاد کی حیثیت سے بلکہ ایک شفیق باپ اور مہربان ماں کی طرح کرے، اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ نوامیس فطرت سے کام لینا ہوگا،

تسخیر کائنات اس کے لئے لازمی شرط ہوگی، زمین کے اوپر ہی کی نہیں بلکہ اس کا جگر چاک کر کے اس کا کلیجہ بھی نکالنا ہوگا، سمندر کی موجوں میں گھسنا ہوگا، طوفانوں کے سامنے سینہ سپر کرنا پڑے گا، اپنے خیالات کو وسیع بنانا پڑے گا، اپنے اخلاق کو ہمہ گیر بنانا ہوگا اپنے دل کو دنیا کے ہر انسان نہیں ہر متنفس بلکہ ہر مخلوق کے لئے ایک مشفق و مہربان باپ کا دل بنانا ہوگا، جو قوم توانا بازو، بلند ہمت، وسیع قلب اور ہمہ گیر اخلاق کی مالک بنے گی وہ کائنات کی بھی مالک

ہو گی اور جو قوم ان اصولوں پر کاربند نہیں ہوتی وہ اگر قائد بھی چلی آرہی ہے تو ضرور ایک دن اس سے قیادت چھین لی جاتی ہے اس عالمِ رنگ و بو میں رہے اور اسی سے نفرت کرے، اس زمین پر چلے اور اسی سے وحشت ہو، اس فضا میں سانس لے اور اسی کو ناقابلِ اعتبار سمجھے انھیں مخلوقات میں زندگی گذارے اور انھیں کو گھناؤنی قرار دے انھیں چیزوں کو برتنے اور انھیں کے خلاف سینہ میں بغض چھپائے رکھے تو بتاؤ ہے اسے کوئی حق کہ وہ اس دنیا میں رہے؟ کیا قدرت اس ہوتے کو اس دنیا میں حل و عقد کا مستحق اور تخت و تاج کا مالک بنا دے گی؟ یہ کبھی نہ ہوگا کہ کوئی انسان اپنا بچہ بھیڑیئے کے سامنے پھاڑ کھانے کے لئے ڈال دے یہ ناممکن ہے کہ کوئی ماں کسی شیر کے سامنے بچہ کو ڈال کر مطمئن ہو جائے تو کیا خدا اپنی عیالؔ کو ان بھگتوں، راہبوں اور تارک الدنیا ملنگوں کے حوالے کر دے گا جو مخلوق کو ایک نجس و ناپاک اور قابلِ صد نفریں چیز سمجھتے ہوں؟

آج اگر عالمِ اسلام اپنی چھینی ہوئی قیادت واپس لینا چاہتا ہے اور اپنے پیغام کو عالمگیر بنانا چاہتا ہے تو بقول مولانا علی میاں مدظلہٗ:

"اس کو اس کے لئے ممتاز قوت اور تربیت، صنعت و علوم تجارت اور

لے حدیث الخلق عیال اللّٰہ کی طرف اشارہ ہے جسے علامہ سیوطی نے مندرجہ ذیل حوالوں کے ساتھ الحاوی للفتاوی ج ا ص۵۹-۳ میں نقل کیا ہے

اخرجہ الطبرانی فی الکبیر والاصبہانی فی ترغیبہ عن ابن مسعود۔ واخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ وآخرون

فن حرب میں مکمل تیاری کی ضرورت ہوگی، اس کو زندگی کے ہر شعبہ اور اپنی ہر ضرورت میں مغرب سے مستغنی اور بے نیاز ہونا پڑے گا، وہ اس سطح پر ہو کہ اپنے لئے پہننے اور کھانے کا سامان کر سکے، اپنے لئے ہتھیار تیار کر سکے، اپنی زندگی کے معاملات کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہو، اپنی زمین کے خزانے وہ خود برآمد کر سکے اور اس سے فائدہ اٹھا سکے، اپنی حکومتوں کو اپنی دولت اور اپنے آدمیوں کے ذریعہ چلائے، اس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے سمندروں میں اس کے بحری بیڑے اور جہاز شور کر رہے ہوں، وہ دشمن کا مقابلہ اپنے یہاں کے جنگی جہازوں، توپوں اور ہتھیاروں سے کرے اس کی برآمد اس کی درآمد سے زیادہ ہو اور اس کو مغربی ممالک سے قرض لینے کی ضرورت پیش نہ آئے"[1]

اس کے بعد مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"یہ علمی اور صنعتی زندگی کا وہ شعبہ تھا جس کے بارے میں عالم اسلام نے عہد ماضی میں کوتاہی سے کام لیا اور جس کی تعزیر میں اس کو طویل اور ذلیل زندگی کا مزہ چکھنا پڑا اور اس پر مغربی قیادت اور سرداری مسلط کی گئی جس نے دنیا میں تباہی اور غارتگری، قتل و خونریزی اور خودکشی برپا کی اب اگر اس موقع پر بھی عالم اسلامی نے علمی و صنعتی تیاری اور اپنی زندگی کے معاملات میں آزادی کے بارے میں غفلت برتی اور اس مرتبہ بھی اس سے یہ چوک ہو گئی تو دنیا کی تقدیر میں بدنصیبی اور شقاوت لکھ دی جائے گی اور انسانیت کے ابتلاء کی مدت اور طویل ہو جائے گی"[2]

---

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر"، ص ۴۰۵ [2] ایضاً ص ۴۰۶

حقیقت یہ ہے کہ اگر عالم اسلامی نے مادی علوم صنعت و تجارت اور فنون حرب میں غفلت نہ برتی ہوتی تو آج دنیا اسلامی قیادت سے محروم نہ ہوتی جس میں روحانیت و مادیت کے بہترین امتزاج کی وجہ سے انسان کے روحانی اور باطنی تقاضے بھی پورے ہوتے رہے اور ظاہری و جسمانی ضرورتیں بھی علی وجہ الاتم پوری ہوتی رہیں لیکن جب اس نے اس دنیائے آب و گل میں رہتے ہوئے اس سے منہ موڑا تو خالص مادیت آگے بڑھی اور عالمی قیادت اپنے ہاتھ میں لیکر اس پرانی قیادت کو دھکا دیدیا جس نے اس مادی دنیا میں رہتے ہوئے اس کو اس کا حق دینے میں سستی فروغ کردی تھی مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مضمون میں صنعت و حرفت کے متعلق چند آیات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں "یہ سب انتباہات خداوند قدوس کی طرف سے اس لئے تھے کہ لوگ نیکی اور بہتری کے اکتساب و ترویج میں ان تمام مادی وسائل سے فائدہ اٹھائیں جو اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اپنی کائنات میں ودیعت کئے ہیں اور جن پر بطور نیابت الٰہی صرف صالح انسانوں ہی کو جائز حق حاصل ہے۔ اب اگر ہم نے اللہ کی ان نعمتوں کی حفاظت میں غفلت یا کمزوری دکھائی اور اپنی حفاظت کا فرض ادا نہ کیا تو یقیناً ستم پیشہ لوگ مسلمانوں کے حق پر غاصبانہ قبضہ جمالیں گے اور مذکورہ بالا تمام ذرائع و وسائل کو یہ لوگ درندگی ظلم اور انسانیت کی تباہی و بربادی کے راستوں میں اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق خوب دل کھولکر استعمال کریں گے جیسا کہ آج کل آپ خود مشاہدہ کر رہے ہیں[1]" آگے یورپ و امریکہ

---

[1] "اسلام میں صنعت و حرفت" از مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم (البلاغ کراچی شعبان ۱۳۸۸ھ)

کی سائنسی قوتوں اور ارتقائی کارناموں کے متعلق فرماتے ہیں کہ "ان کی صحیح تعبیر یہی ہو سکتی ہے کہ انسان نے حقیقی شرفِ انسانیت کو کھو کر اور مفہوم انسانیت کو مسخ کر کے بہیمیت اور ابلیسیت کو معراج کمال تک پہنچا دیا ہے اور انسانیت کے اصلی پاسبان اپنی بے عملی اور فرض ناشناسی کی بدولت چوروں اور ڈاکوؤں کا منہ تکتے رہ گئے"۔ ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

پھر چند سطر بعد مولانا مرحوم لکھتے ہیں "حق تعالیٰ سبحانہٗ نے ہمیں موقع دیا ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ نوامیس فطرت سے کام لینا سیکھیں، تسخیر کائنات سے اپنا چھنا ہوا حق واپس لیں اور قرآنی ہدایات و انتباہات کی روشنی میں نیکی اور پرہیزگاری کی حکومت قائم کریں"۔[1] ؎

حکومت پادشاہی علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

قانونِ فطرت

ہمیں یہاں پر ایک یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اگر ہم اس وقت ان تمام کاموں کے لئے نہ کھڑے ہوئے جو ہمیں کرنے ہیں تو بہت ممکن ہے کہ ہم سے وہ صلاحیتیں ہی سلب کر لی جائیں جن کی بدولت انسان تسخیر کائنات کرتا اور نوامیسِ فطرت سے کام لینا سیکھتا ہے، اس لئے کہ جو چیز اور جو قوت اس کائنات میں استعمال نہیں ہوتی وہ فنا ہو جاتی ہے، بدنِ انسانی کا جو عضو بیکار پڑا رہتا ہے رفتہ رفتہ خشک ہو جاتا ہے اسی طرح قدرت کا

---

[1] "اسلام میں صنعت و حرفت" از مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم (البلاغ کراچی شعبان ۱۳۸۵ھ)

ازل سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ صرف انھیں قوموں کو دنیا میں باقی رکھتی ہے جو انسانیت کا کوئی کار آمد عضو ہوں اور کچھ کارنامے انجام دیتی ہوں اور دنیا والوں کو ان سے کچھ فائدہ پہنچتا ہو۔ غیر مفید، بیکار اور نکمی قوموں کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے:

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ۝ (سورۂ رعد - ۱۷)

اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے سو باقی رہتا ہے زمین میں۔

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے غافل مسلمانو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

علومِ دنیوی کی اہمیت امامِ غزالیؒ کی نظر میں

حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی نے علم کی دو قسمیں دینی اور دنیوی کرنے کے بعد دونوں میں سے کچھ کچھ مقدار فرض کفایہ قرار دی ہے اس کے بعد علمِ دنیا کے متعلق فرماتے ہیں:۔

اما فرض الکفایۃ فھو کل علم لا یستغنی عنہ فی قوام امور الدنیا کالطب اذ ھو ضروری فی حاجۃ بقاء الابدان و کالحساب فانہ ضروری فی المعاملات وقسمۃ المواریث

ہر وہ علم فرض کفایہ میں آتا ہے جس کے بغیر دنیوی معاملات کی تکمیل میں چارہ نہ ہو جیسے علمِ طب یا ڈاکٹری اس لئے کہ بدنِ انسانی کی بقاء کے لئے اس کا ہونا ضروری ہے اور جیسے حساب کیونکہ دنیوی معاملات میں بھی اس کی ضرورت ہے اور خاص طور پر میراث کی تقسیم میں بھی ضروری ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

فلا یتعجب من قولنا ان الطب والحساب من فروض الکفایات فان اصول الصناعات ایضا من فروض الکفایات کالفلاحۃ والحیاکۃ و السیاسۃ بل الحجامۃ والخیاطۃ

ہماری اس بات پر کوئی تعجب نہ کرے کہ طب اور حساب کو بھی فرض کفایہ میں شامل کر رہے ہیں کیونکہ صناعت اور دستکاری کے فنون بھی فرض کفایہ ہی ہیں جیسے کاشتکاری، جولاہہ پن، سائیسی بلکہ سینگی لگانا اور درزی گری وغیرہ بھی فرض کفایہ ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

فکم من بلدۃ لیس فیھا طبیب الا من اھل الذمۃ ولا یجوز قبول شھادتھم فیما یتعلق بالاطباء من احکام الفقہ[1]

کتنے شہر کے شہر ایسے ہیں کہ جن میں سوائے غیر مسلموں کے کوئی طبیب یا ڈاکٹر نہیں ملتا حالانکہ فقہ کے بہت ان احکام میں جن میں ڈاکٹر کے قول پر اعتماد ہے غیر مسلم کی شہادت معتبر نہیں ہے۔

یہاں کوئی دو چار خاص علوم کی بحث نہیں ہے بلکہ جس زمانہ میں بھی جن علوم سے دنیا کا نظم و نسق متعلق ہو وہ تمام علوم و فنون ضروری اور فرض کفایہ قرار پائیں گے چنانچہ جنگی اسلحہ اور قوت و طاقت کے متعلق تو قرآن کریم میں صراحتہً موجود ہے کہ:

---

[1] ماخوذ از "الغزالی" مؤلفہ علامہ شبلی نعمانیؒ صفحہ ۱۸۵

وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ (انفال - ۶۰)

اور تیار کرو دشمن سے جنگ کے لیے جو کچھ بھی جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامانِ جہاد تھا آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز آبدوز کشتیاں آہن پوش کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا بلکہ ورزش کرنا وغیرہ وغیرہ سب سامانِ جہاد ہے[1]" یہ تمام ساز و سامان ہر ہر نوع کا اتنی وافر مقدار میں ہونا چاہیے کہ:

تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ (انفال - ۶۰)

تمہارے دشمنوں اور اللہ کے دشمنوں پر دھاک بیٹھ جائے۔

اسی طرح ہر وہ علم و فن، صنعت و حرفت جس کی دنیا کے انتظام میں ضرورت ہو خواہ وہ جدید ہو یا قدیم امام غزالی کے فرمان کے مطابق ضروری اور فرض کفایہ ہوگی اور اس کا حاصل کرنا باعث اجر و ثواب ہوگا

لیکن یہ دو لازمی شرطیں ہمیشہ زندگی کے ہر مرحلہ میں پیش نظر رہیں گی کہ ہر چیز[1] کا استعمال اور علم و فن میں اشتغال شریعت کے مقرر کردہ قوانین اور اصول کے مطابق ہوگا اور حدود شریعت سے باہر قدم رکھنا جائز نہ ہوگا۔

دوسرے[2] تمام چیزیں اسباب و وسائل ہیں اور انھیں وسائل ہی کے مقام

---

[1] حواشی مولانا عثمانی صہ ۲۴۳ سورۃ الانفال

پر رکھا جائے گا مقاصد کے مقام پر نہیں لایا جائے گا۔ اور جیسا کہ گذشتہ اوراق میں عرض کیا جا چکا ہے ان چیزوں کو خدا کی نعمت سمجھ کر اسی کی رضا کی طلب میں خرچ کیا جائے گا، مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ "ترک اعتداء اور اختیار تقویٰ کی قید کو ملحوظ رکھ کر ہر قسم کی طیبات سے مومن مستفید ہو سکتا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں ترقیات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں"[1]۔ اکبر الہ آبادی نے ان دو شعروں میں کس قدر بلند مضامین کہہ ڈالے ہیں ؎

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پر جھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

علوم جدیدہ اور شریعتِ اسلامی

ہمارے پڑھے لکھے نوجوانوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ موجودہ دور میں کامیاب اور ہمہ گیر زندگی گذارنے اور علومِ جدیدہ میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے لئے اسلامی نظامِ حیات میں کچھ ترمیم کرنے یا اس کو از سرِ نو ترتیب دینے کی ضرورت ہے لیکن اس بات کا بہت مختصر دو جملوں میں جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے انھوں نے اسلام کو قریب سے تو کیا دور سے بھی پوری طرح نہیں دیکھا ہے۔ جو شخص اسلام سے پوری طرح واقف

---

[1] حواشی مولانا عثمانی ص ۱۵۸ سورۂ مائدہ ۸۸

ہے اسے تو اس بات کے سنتے ہی ہنسی آجائے گی کہ کیا بول دیا گیا۔ آخر پندرھویں صدی عیسوی تک جو ہم نے سائنسی علوم کی شمع اپنے ہاتھوں میں لے کر پوری دنیا کو جگمگا دیا تھا جس کی روشنی میں آج تک دنیا چل رہی ہے اس دن کونسی ترمیم و تبدیلی کی گئی تھی جو آج کی جائے گی۔ دراصل قصور ہمارا اپنا ہے۔

ع ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی

محنت و جانفشانی سے ہم جی چراتے ہیں اور قصوروار ٹھہراتے ہیں شریعت کو۔ اگر صحیح اسلامی مزاج کے ساتھ علوم اسلامیہ کو لیا جائے اور پھر علوم جدیدہ کو حاصل کیا جائے اور انھیں اسلامی مزاج کے ساتھ برتا جائے تو قطعاً کوئی ایک حرف و نقطہ کی تبدیلی کی ضرورت نہ محسوس ہو

انسان کی بد قسمتی

اس وقت انسان کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ آج کائنات کے رازہائے سربستہ دریافت کرنے کے درپے جو گروہ ہے وہ، وہ باغی اور سرکش گروہ ہے جس نے اپنے کام کی ابتدا ہی اس تصور پر کی ہے کہ یہ کائنات بے خدا ہے، یہ محض ایک اتفاقی حادثہ کے نتیجہ میں کائنات بن گئی ہے۔

تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب کہ تہذیب فرنگی بے حرم ہے۔

اگرچہ اس خالص حماقت کے خلاف بولنے والے جارج ولیم کلائز جیسے[1] لوگ بھی انھیں میں ہوتے ہیں مگر چونکہ ان کی اکثریت الحاد و بے دینی کی راہ

---

[1] دیکھئے گذشتہ صد ۳۴۔

اختیار کیئے ہوئے ہے اور شروع ہی دن سے ان کی یہ روش رہی ہے اس کا اثر یہ ہے کہ لوگ ان تحقیقات کے سامنے آنے کے بعد خدا کے بارے میں مختلف الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس ذہن کو ہدایت الٰہی کی ذرا سی بھی روشنی ملی ہو اس کے لیئے تو کائنات کا ہر انکشاف اور خلا کی ہر پرواز میں نور ہی نور اور معرفت ہی معرفت ہے لیکن جس کا باطن ہی سرے سے تاریک ہو اس کے لیئے ظاہری نشانہائے قدرت بھی کیا مفید ہو سکتے ہیں:

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ (سورۂ نور ۴۰)

جس کو خدا نے ہی روشنی نہ دی ہو اس کے لیئے کہیں روشنی نہیں۔

جو قوم بھی زندگی کے میدان میں منظر عام پر آئی ہے دستور یہی ہے کہ اس قوم کے عقائد و خیالات اور ان کی تہذیب و معاشرت خود بخود لوگوں کے سامنے آتی ہے اور عام ذہنوں پر اس کا قدرتی طور پر اثر پڑتا ہے آج سے چند صدی پہلے جب مسلمانوں نے زندگی کے میدان میں کامل زندہ دلی کے ساتھ قدم رکھا تھا اور نہ صرف قدم رکھا تھا بلکہ انسانیت کی انگلی پکڑ کر اسے زندگی کی راہوں میں چلنا سکھایا تھا تو اس وقت ان کی تمام پڑوسی قومیں ان ہی کی تہذیب انھیں کی زبان انھیں کے خیالات و رجحانات اپنا رہی تھیں ان کی زبان بولنا فخر سمجھا جاتا تھا اور دوسری زبانوں والے بھی جب کسی فن کی اونچی کتاب لکھتے تھے انھیں کی زبان کا انتخاب کرتے تھے آج چونکہ اس میدان میں نمایاں مقام پر خدا فروش اور نورِ ہدایت سے محروم قومیں ہیں اس لئے بجائے نور کے ظلمت اور بجائے انسانیت و اخلاق کے بہیمیت و درندگی پھیل رہی ہے۔

کاش زندگی کا میدان آج اگر کسی ہدایت یافتہ، روحانی اوصاف سے متصف قوم کے ہاتھ میں ہو تو جتنی تیزی سے ہدایت پھیلنے کے ذرائع آج ہیں عالم اسباب میں اتنی سہولت اور ذرائع و وسائل کی اتنی فراوانی آج سے پہلے کبھی میسر نہیں آئی تھی بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو کائنات کی موجودہ مادی تحقیقات اور فطری انکشافات کے دور میں گمراہی کا پھیلنا اتنا آسان نہیں جتنا ہدایت کا عام ہونا آسان ہے۔

اب ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی ہدایت یافتہ قوم (دین فطرت یعنی مذہب اسلام کے ماننے والے) آگے بڑھیں اور کائنات کی ان تحقیقات وانکشافات کی معراج تک ترقی کریں اور اس وقت تک دنیا کو یونہی ہدایت سے محروم رکھا جائے (اور حقیقت یہ ہے کہ کسی اچھے نتیجہ کی توقع پھر بھی نہیں)، دوسرا آسان اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ جو قومیں اس راہ میں پیش پیش ہیں اور اپنی خداداد عقل و فہم کے ذریعہ مادی ترقیات کے فلک پر کھڑی ہیں انھیں ہدایت پر لانے کی محنت ہو یہ کام ایک نہایت بلند مقصد بھی ہے اور آسان اور جلد نتیجہ خیز ہے۔

کاش یہ پانسہ پلٹے اور انسانیت کی کشتی کے لئے قابل ولائق ناخداؤں کا دستہ نصیب ہو۔

اور زہد؟ جہاں دین و شریعت کے ساتھ علوم مادیہ میں ترقی کرنے کی بات آئے وہاں اگر آپ زہد کی بحث چھیڑ بیٹھیں تو یہ بے موقع بات ہوگی۔ زہد چیزوں سے محرومی اور ان کے حاصل کرنے سے کاہلی و

سستی کا نام نہیں ہے۔ دنیا کی چیزوں کا چھوڑنا دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو اس کے حاصل کرنے سے عاجز و ناکام ہو کر چھوڑ بیٹھنا دوسرے اس کو غیر اہم سمجھ کر نظروں میں نہ لانا بس پہلے کو فقر و ناداری اور دوسرے کو زہد کہتے ہیں ایک شخص اگر پوری دنیا پر حکومت کرتا ہو اور اپنی اس مچھر کے پر سے زیادہ حقیر دنیا کو اپنے مقصود الٰہ العالمین کے سامنے نظروں میں نہ لاتا ہو تو زاہد ہے[۱] اور دوسرا شخص جو آدھی روٹی کا مالک نہ ہو اور اس کی تلاش میں مارا پھرتا ہو اور دوسرا کوئی اس کا مقصود نہ ہو وہ کورا دنیا دار ہے ؎

کمالِ ترک نہیں آب و گل سے مہجوری — کمالِ ترک ہے تسخیر خاکی و نوری
میں ایسے فقر سے اے اہل حلقہ باز آیا — تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری

جن لوگوں نے تعطل و بے کاری اور چیزوں سے محرومی کا نام زہد و توکل رکھ لیا ہے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کو تقدیر پر ایمان رکھنا سمجھا ایسے ہی لوگوں پر افسوس کرتے ہوئے اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم — جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر
تن بتقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز — تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا — کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

---

[۱] زہد اور رہبانیت میں فرق صرف یہ ہے کہ انسان کا دنیا کی چیزوں میں نہ گھسنا رہبانیت ہے اور ہر شے میں گھس کر کسی شے کو بھی اپنے میں نہ گھسنے دینا زہد ہے۔

منزل کی طرف

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

مومن زندگی کی ہر لائن میں گھسے گا لیکن زندگی کی کوئی لائن اس کے باطن میں نہیں گھسے گی، یہ دنیا کی ہر ہر شے پر قبضہ جمائے گا مگر اس پر کسی کا قبضہ نہ ہوگا، دنیا کی ہر جائز و حلال چیز کو یہ استعمال کرے گا مگر یہ چیزوں کے لئے استعمال نہ ہوگا، اس عالم رنگ و بو کی ہر چیز کو یہ فتح کرے گا مگر اسے کوئی طاقت فتح نہیں کر سکتی، کائنات کی ہر چیز ترقی کرتی اس کے سامنے آکر رک جائے گی لیکن یہ ترقی کرتا ہوا کائنات کی کسی چیز پر نہ ٹھہرے گا۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق (اقبال)

یہ ایک ملک سے گذر کر دوسرے ملک میں نہ ٹھیرے گا، یہ ایک براعظم سے گذر کر دوسرے براعظم میں نہ ٹھیرے گا، یہ ایک دنیا سے ابھر کر دوسری دنیا میں نہ پھنسے گا یہ اپنے نظام شمسی سے چھلانگ لگا کر کسی دوسرے نظام شمسی کا سیارہ نہ بنے گا، یہ ایک کہکشاں کو چھوڑ کر کسی اور کہکشاں کی زینت نہ بنے گا،

ع بلند تر ہے ستاروں سے اس کا کاشانہ

حتی کہ یہ ساتوں آسمانوں سے گذر کر بھی دم نہ لے گا، یہ عرش کو اپنا ٹھکانہ نہ بنائے گا، یہ جنت کو بھی نظروں میں نہ لائے گا یہ جب تک اپنی منزل

پر نہ پہنچے گا کہیں دم نہ لے گا۔

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے

حور و خیام سے گذر، بادہ و جام سے گذر

یہ چھوڑے گا کسی چیز کو نہیں لیکن پکڑے گا بھی کسی چیز کو نہیں۔ ہر چیز کو تسخیر کرے گا اور آگے بڑھے گا، زمین و آسمان، ستارے اور عرش و کرسی سب سے گذر کر اس وقت دم لے گا اور چین سے اس وقت بیٹھے گا جب اس کے مقصود و مطلوب احکم الحاکمین رب العالمین کی طرف سے اعلان ہو جائے گا کہ:

احل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ ابدا۔[1]

اللہ رب العالمین ہم سب کو انھیں خوش نصیبوں میں رکھے اور اٹھائے جن سے یہ مبارک خطاب ہوگا۔

آمین

محمد عبد اللہ دہلوی

۴ر شعبان ۱۳۸۹ھ

---

[1] یعنی میں تم پر اپنی رضا و خوشنودی برساتا ہوں اب کبھی تم سے خفا نہ ہوں گا۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت اہل جنت سے پوچھے گا کہ تم خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے اب ہم کیوں خوش نہ ہوں تو نے سب ہی کچھ تو ہم کو بخش دیا ہے اس کے بعد خدا تعالیٰ فرمائے گا میں اس سے بھی بڑی ایک نعمت دیتا ہوں اور اس کے بعد یہ اعلان کرے گا۔ مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۶ صفحہ ۴۹۷